ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

14 تا 20 فروری 2002ء

☆ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات! (اداریہ)

☆ احیائی تحریکوں کے کرنے کا اصل کام (منبر ومحراب)

☆ صدر پاکستان کا دورہ امریکہ (تجزیہ)

اہل پاکستان اور بالخصوص مسلمانان پنجاب سے

اللہ، رسولؐ اور غیرتِ اسلامی کے نام پر دردمندانہ اپیل!

✿ ہمارے دین نے ہمیں دو سالانہ تہوار دیئے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ،

✿ اور ان دونوں میں بھی اللہ کی جناب میں دوگانۂ شکرانہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نہایت شائستگی اور سنجیدگی سے اللہ کی تکبیر اور تہلیل کا غلغلہ تو بلند ہوتا ہے، کوئی شور ہنگامہ نہیں ہوتا!

✿ اسلامی روایات میں کسی موسمی تہوار کا کوئی ذکر سرے سے موجود نہیں ہے!

✿ بسنت کا تہوار اولاً یہاں کے ہندوانہ پس منظر کی یادگار ہے —— مزید برآں پختہ روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک شاتم رسولؐ لالہ حقیقت رائے کے احترام میں یہ دن منایا جاتا تھا!

لہٰذا بسنت کا تہوار منانا بنیادی طور پر ہی غلط ہے!

✿ اس پر مستزاد شور وغل، ہنگامہ، بلند آواز سے گانوں کی ریکارڈنگ، پھر راتوں کو چھتوں پر مخلوط اجتماعات اور ان میں اسلامی شعائر اور اقدار کی دھجیاں بکھیرنا، اور علاقے کے لوگوں کی نیندیں حرام کرنا!

✿ مزید برآں دھاتی ڈور کے استعمال کی بنا پر بجلی کے نظام میں خلل اور اس سے پیدا شدہ عوام کی پریشانی اور مالی نقصانات، —— اور —— ✿ سب سے بڑھ کر معصوم اور قیمتی انسانی جانوں کا ضیاع ——!!!

خدارا! ہوش کے ناخن لیجئے اور خصوصاً اس سال جبکہ

بھارت نے اپنی دس لاکھ افواج کو کسی بھی اقدام کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہماری سرحدوں پر جمع کر رکھا ہے

اس تہوار کو نہ منانے کا اجتماعی فیصلہ کر لیجئے!

محض کھیل اور تفریح کے لئے کھلے میدانوں میں شائستگی کے ساتھ پتنگ بازی ایک مختلف بات ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کو اختیار کرنے اور شر سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

خادم قرآن واسلام وپاکستان **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

الهدیٰ

سورۃ البقرہ (۵۵)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ج وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ج یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ ج وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ o قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ o مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ o وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ ج وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ o﴾ (آیات : ۹۶ تا ۹۹)

''اورتم دیکھو گے یہ (یہود) تمام انسانوں سے بڑھ کر (دنیا کی) زندگی کے حریص ہیں' یہاں تک کہ اہل شرک سے بھی (زیادہ)' ان میں سے ہرایک کی خواہش ہے کہ اس کی عمر ایک ہزار سال ہو جائے' اور وہ اتنی عمر پانے کے بعد بھی عذاب سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا' اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے جو بھی جبرئیل کا دشمن ہے' (وہ جان لے) کہ وہ تو اس (قرآن) کو آپؐ کے قلب پر اللہ کے حکم ہی سے نازل کرتے ہیں' جو اس (شے) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے سامنے (موجود) ہے اور (اس میں) اہل ایمان کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ جو کوئی بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ (خود) ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ اور (اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ کی طرف روشن آیات نازل کی ہیں اور ان کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو سرکش ہیں۔''

زیر درس پہلی آیت میں یہود کی دنیا پرستی کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قوم دوسرے تمام انسانوں سے بڑھ کر اس فانی زندگی کی محبت میں گرفتار ہے۔ تاریخ کے متعدد واقعات بھی اس امر کے شاہد ہیں کہ مسلمانوں سے دوسری قوموں نے تو کھلم کھلا مقابلہ کیا لیکن یہود کو کبھی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ وہ کھلے میدان میں آ کر ان کا سامنا کر سکیں۔ ابوجہل سمیت بہت سے مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے لئے گردنیں کٹوائیں لیکن یہودیوں کو ہمیشہ اپنی جان عزیز رہی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر چہ اس قوم کے افراد کی آرزو یہی ہے کہ ان کی زندگی بے انتہا طویل ہو جائے اور وہ ہزار برس تک زیست کے مزے لوٹ سکیں' تاہم انہیں سوچنا چاہئے کہ ان کی یہ حیاتِ دنیوی خواہ کتنی بھی طویل ہو جائے تب بھی بالآخر انہیں ایک نہ ایک دن موت سے ہمکنار ہونا ہی ہے۔ اس طبعی عمر کے دراز ہونے سے وہ اپنے کئے کی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے لہٰذا اس عارضی مہلت کے بعد جہنم کے عذاب کو ابدی طور پر ان کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے۔

یہود کے دلوں میں آنحضور ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف جو بغض اور غم وغصہ تھا اس کا کھلم کھلا اظہار تو ممکن نہ تھا' تاہم اپنا یہ غصہ وہ حضرت جبرائیل پر نکالتے تھے کہ یہ فرشتہ ہمارا پرانا دشمن ہے اور اس کے لائے ہوئے کلام کو ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ وہ شاید حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس بنا پر بدگمان تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کو بنو اسماعیل کے ایک فرد یعنی حضور اکرم ﷺ کی طرف کیوں لے گئے! ان کے عقیدے کے مطابق نبوت صرف بنی اسرائیل کا حق تھی۔ اسی قسم کا نظریہ اہل تشیع کے ایک فرقے غرابیہ کا تھا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ کی ارواح مبارکہ کے درمیان بہت زیادہ مشابہت کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام ان میں امتیاز نہ کر سکے اور وحی کو سہواً حضرت محمد ﷺ کے پاس لے گئے جبکہ درحقیقت آخری نبی حضرت علیؓ ہیں۔ چنانچہ یہود کے اس اعتقاد کو رد کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے حضور اکرم ﷺ کے پاس وحی لے کر آتے ہیں۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ ''فرشتوں کی تو شان ہی یہ ہے کہ انہیں جو حکم ملتا ہے' اسے بجا لاتے ہیں''۔ لہٰذا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اس عمل میں ان کی کسی ذاتی پسند' ناپسند کے کارفرما ہونے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے' اس کے ملائکہ خصوصاً حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام سے اور اللہ کے رسولوں سے کسی قسم کی مخاصمت رکھتا ہے تو وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا حریف ہے۔ ایمان رکھنے والے افراد کے لئے قرآن مجید ایک مکمل دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اس میں نہایت خوش کن اور ہدایت بخش باتیں بیان کی گئی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی جانب نازل کردہ اس نور ہدایت کو صرف وہی لوگ جھٹلا سکتے ہیں جو ظالم اور فاسق ہیں۔

☆ ☆ ☆

فرمانِ نبوی

تجارت میں دھوکہ دہی کی ممانعت

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَاهٰذَا یَا صَاحِبَ الطَّعَامِ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَآءُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا۔ آپؐ نے انگلیوں سے کچھ گیلا پن محسوس کیا۔ آپؐ نے اس غلہ فروش سے فرمایا کہ ''(ڈھیر کے اندر) یہ تری کیسی ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ! بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں۔'' آپؐ نے فرمایا ''اس بھیگے ہوئے غلے کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تا کہ خریدار اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

دوسروں کو دھوکہ دینا اسلامی تعلیمات کی رو سے بہت بڑا احرام ہے۔ دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ جو چیز بھی بیچی جائے اس میں اگر کوئی عیب ہے تو خریدار کو معلوم ہونا چاہئے۔ ہر مسلمان کے دل میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ وہ کسی مسلمان بھائی کو نقصان نہ پہنچائے اور اس کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ خود اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ کوئی بھی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا جائے یا عیب دار چیز دے کر قیمت پوری وصول کی جائے۔ یہی چیز اسے دوسروں کے لئے ناپسند کرنی چاہئے۔ کاش تمام مسلمان ان خوبیوں کے حامل ہو جائیں تو دنیا اسلام کی طرف راغب ہو جائے اور اللہ کا دین بدنامی سے بچ جائے جیسے آج کل بدنام ہو رہا ہے۔ آج مسلمانوں پر کوئی اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہے چنانچہ بین الاقوامی تجارت سے ہم ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ یہ دنیا کی بے جا محبت ہے جس نے ہمیں غلامی تک پہنچا دیا ہے حالانکہ ہم ہی آخرت کو ماننے والے اور اس کا صحیح علم رکھنے والے ہیں۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریک خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

جلد 11 شمارہ 7

14 تا 20 فروری 2002ء

(یکم تا ۷ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ)

بانی : اقتدار احمد مرحوم

مدیر : حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: فرقان دانش خراسانی

معاونین: مرزا ایوب بیگ ' سردار اعوان
محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

پبلشر: اسعد احمد مختار ' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

E-Mail:anjuman@tanzeem.org

Website:www.tanzeem.org

قیمت فی شمارہ : 5 روپے

سالانہ زرتعاون :

اندرون ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان:

☆ یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ

.... 1500 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ

.... 2200 روپے

اداریہ

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

آج پوری ملت اسلامیہ ایک عجیب بے کسی ولاچاری میں مبتلا اور اضمحلال وزبوں حالی کا شکار نظر آتی ہے۔ یہ صورت حال اس کیفیت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جس سے یہ عظیم ملت اسلامیہ گزشتہ صدی کے اوائل میں پہلی جنگ عظیم کے بعد دوچار تھی جس کا ایک نقشہ عظیم ملی شاعر مولانا الطاف حسین حالی نے کبھی ان الفاظ میں کھینچا کہ۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ۔۔۔ اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد ۔۔۔ دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اور کبھی صورت حال کی سنگینی کے اظہار کے لئے انہوں نے ایک دردانگیز فریاد کا پیرایہ مستعار لیا کہ۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے ۔۔۔ امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے ۔۔۔ پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

عالمی ملت اسلامیہ کی اسی دردناک صورت حال کا نقشہ حکیم الامت اور مفکر ملت علامہ اقبال نے اپنے انداز میں یوں کھینچا تھا کہ۔

پیش ما یک عالمِ فرسودہ است ۔۔۔ ملت اندر خاکِ اُو آسودہ است

[ہمارے سامنے ایک گھسا پٹا فرسودہ عالم ہے جس کی خاک کے اندر ملت اسلامیہ (ذلت و رسوائی کے ساتھ) خواب غفلت میں مدہوش پڑی ہے۔] کیا آج بھی ملت اسلامیہ کی صورت حال کم وبیش یہی نہیں ہے ـــــ ایک ظاہری فرق ضرور ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد قریباً پورا عالم اسلام سیاسی وعسکری اعتبار سے اقوام مغرب کی براہ راست غلامی کے شکنجے میں تھا جبکہ آج مسلمان اقوام بظاہر آزادی کے نام پر درحقیقت فریب ذہنی کا شکار ہیں' لیکن بالواسطہ طور پر معاشی و اقتصادی لحاظ سے ہی نہیں' بہت حد تک سیاسی اعتبار سے بھی اقوام مغرب کی' جن کا سرغنہ آج امریکہ ہے' بدترین غلامی اور محکومی کا مزا چکھ رہی ہیں جس کے عبرتناک مظاہر آج ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون سے ہزاروں گنا نہیں لاکھوں گنا زیادہ طاقتور' جابر اور مستبد فرعونِ وقت امریکہ کے جبر اور قہر کے سامنے مسلمان اقوام کی حالت بکری کے اس ناتواں بچے سے مختلف نہیں ہے جو کسی خونخوار شیر کے رحم وکرم پر ہو۔ چنانچہ اس کی ایک غراہٹ کی تاب نہ لاتے ہوئے عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت پاکستان جس رسوا کن انداز میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئی اور پھر جس طرح فرعون وقت کے حکم کی تعمیل میں ہم نے برادر اسلامی ملک میں اپنے ان مسلمان بھائیوں کے گلے کاٹنے میں طاغوتی قوتوں کا ساتھ دیا جنہوں نے فرعون وقت کی بجائے اللہ کی غلامی اختیار کرنے اور اس قادر مطلق کی وفاداری کا دم بھرنے کا اعلان کیا تھا' اسے اسلامی دنیا کے سیاہ ترین باب کے طور پر تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

یہی نہیں ہم امریکہ کی کاسہ لیسی اور دریوزہ گری میں اس حد تک گر چکے ہیں کہ پاکستان میں مقیم اور پناہ گزیں غیر پاکستانی مسلمان بھائیوں کو ہی نہیں' پاکستانی شہریوں کو بھی امریکہ کے ایک اشارے پر اس کی سفاک تحقیقاتی ایجنسی FBI کے حوالے کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بالواسطہ غلامی تو پہلے بھی تھی اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے خود برضا ورغبت بحیثیت قوم خود کو امریکہ کی تحویل میں دے دیا ہے ـــــ کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوق نخچیری! ـــــ غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ہم خود کو آزاد قوم کہہ سکتے ہیں؟ اور کیا اگر اس دعوے کو سفید جھوٹ قرار دیا جائے کہ ہم آزاد ہیں' تو یہ غلط ہوگا؟ اور اصل رنج تو احساس زیاں کے فقدان کا ہے کہ اس بے کسی ولاچاری اور ذلت ورسوائی کے باوجود ہم بحیثیت قوم مطمئن اور "آسودہ" دکھائی دیتے ہیں۔ ع حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں!

"شیطان بزرگ" اور فرعون وقت امریکہ کے جبر وقہر کا یہ مظہر بھی نہایت افسوسناک اور شرمناک ہے کہ ایک اخباری اطلاع کے مطابق امریکہ کی جانب سے جاری فرمان شاہی کی تاب نہ لا کر سعودی حکومت' جسے ملت اسلامیہ کے مرکز ومحور کی حیثیت حاصل ہے' مدینہ یونیورسٹی کے نام کو بدلنے پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہے کہ اس کے نام میں شامل "الاسلامیہ" کا لفظ امریکہ کے خیال کے مطابق یونیورسٹی کے ماحول میں شدت پسندی اور دہشت گردی کے فروغ کا موجب بن رہا ہے۔ مزید برآں امریکی دباؤ پر سعودی یونیورسٹیوں کے نصاب میں تبدیلی کے عمل کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ جی ہاں' یہ سب کچھ ایک "آزاد" ملک میں ہو رہا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

منہاج محمدیؐ کی عدم پیروی بھی احیائی تحریکوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب تھا

ارکان اسلام تو پانچ ہیں جبکہ یقین قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ ایمان کے ارکان ہیں

جب تک گہرا ایمان اور پختہ یقین حاصل نہ ہو' اقامت دین کی عظیم اور جاں گسل ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں

قرآن میں غوطہ زنی سے وہ یقین والا ایمان حاصل ہوتا ہے جس کے اندر بصیرت' حکمت اور یقین کی گہرائی ہو

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے 8 فروری 2002ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

۱۱ جنوری کے خطاب جمعہ میں ''بیسویں صدی عیسوی کی احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب'' بیان کرتے ہوئے میں نے امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں عروج اور زوال کے دو دو ادوار کا حوالہ دیا تھا۔ امت مسلمہ کے دوسرے زوال کی انتہا ۲۰ ویں صدی کے ابتدائی ربع میں دیکھنے میں آئی جب سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور پورے کرہ ارضی پر کوئی مکمل طور پر آزاد مسلمان ملک باقی نہ رہا۔ ۱۹۲۵ء کے بعد اس قانونِ قدرت کے مطابق کہ ہر جزر کے بعد مد آتا ہے' امت کے تیسرے عروج کی طرف ہماری حرکت کا آغاز ہوا۔ اس کا پہلا مرحلہ آزادی کی تحریکیں تھیں جو پوری دنیا کے تمام اسلامی ممالک میں شروع ہوئیں اور ایک ایک کر کے مسلمان ممالک آزاد ہو گئے۔ انہی میں سے ایک ہمارا ملک پاکستان ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوا یعنی جب مسلمان ممالک آزاد ہو گئے تو ان کے دینی عناصر کو یہ احساس ہوا کہ دور غلامی میں کافر حکمرانوں نے جو نظام چاہا ہم پر نافذ کر دیا' اب جب کہ ہم آزاد ہو گئے ہیں اور ہمارا اپنا دین' ہمارا اپنا ایک نظام' ہماری ایک شریعت ہے' ہماری اپنی تہذیب' ہمارا اپنا تمدن ہے گویا کہ مکمل نظام زندگی ہے تو کیوں نہ ہم اپنے اس نظام زندگی کو نافذ کریں۔ یہ وہ جذبہ تھا جس کے تحت احیائی تحریکیں شروع ہوئیں۔ یہ تحریکیں تقریباً ایک ہی وقت میں پورے عالم اسلام میں شروع ہوئیں۔ ان سب میں دو چیزیں قدر مشترک کے طور پر تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ تحریکیں فقہی اختلافات سے بلند تر تھیں۔ دوسرے یہ کہ ان میں اسلام کا ایک مشترک تصور تھا کہ اسلام صرف مذہب نہیں ہے بلکہ دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق ہدایت دیتا ہے اور انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر اپنا تسلط چاہتا ہے ﴿ویکون الدین کلہ للہ﴾ ''تاکہ دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے''۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تحریکیں کامیاب نہیں ہوئیں۔

دنیا میں بظاہر دو جگہ دینی عناصر کو کامیابیاں ہوئیں' لیکن وہ کامیابیاں حادثاتی (Accidental) نوعیت کی تھیں' یعنی وہ ان احیائی تحریکوں کے نتیجے میں نہیں تھیں۔ مثلاً ایران میں انقلاب آیا' بادشاہت ختم ہو گئی اور علماء کی حکومت قائم ہو گئی لیکن یہ فدائین کی تحریک کے تحت نہیں تھا بلکہ اصلاً یہ ایک خالص سیاسی اینٹی شاہ تحریک تھی کہ جسے کامیابی ہوئی۔ اسی طرح افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہوئی جو خالص اسلامی حکومت تھی۔ وہ بھی حادثاتی طور پر وجود میں آئی تھی کہ وہ کسی احیائی تحریک کی پیہم جدوجہد کا نتیجہ نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حکومتوں میں وہ دو اوصاف کما حقہ نہیں تھے جو احیائی تحریکوں کا خاصہ تھے بلکہ یہ دونوں خالص فقہی مسالک کی بنیاد پر قائم ہوئی تھیں۔ پھر اس سوال کے جواب میں کہ یہ تحریکیں کامیابی سے ہمکنار کیوں نہ ہوئیں' میں نے اس کے تین اسباب بیان کئے تھے۔ پہلا یہ کہ انہوں نے عجلت پسندی سے کام لیا۔ نہ تو عوام کی ذہن سازی مناسب حد تک ہو سکی اور نہ ذہین عناصر کے اندر اثر و رسوخ قائم ہوا تھا کہ سیاست کے میدان میں چھلانگ لگا دی گئی' نتیجہ یہ نکلا کہ اس دلدل کے اندر پھنس کر رہ گئے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ ان تحریکوں نے ''ایمان'' پر وہ زور نہیں دیا جتنا دینا چاہئے تھا۔ یہ سمجھ لیا گیا کہ جب ہم سب مسلمان ہیں تو ایمان تو ہمیں حاصل ہے۔ موروثی عقیدے کی حیثیت سے کسی چیز کو ماننا کہ میں اس لئے مانتا ہوں کہ میرے والدین مانتے تھے' اور بات ہے لیکن اپنے ذاتی یقین کے درجے میں ماننا بالکل مختلف بات ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب تک حق پرست لوگوں میں گہرا ایمان و یقین پیدا نہیں ہو گا' اقامت دین کی عظیم اور جاں گسل ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ ان تحریکوں کی ناکامی کی تیسری وجہ تشدد پسندی تھی۔ مولانا وصی مظہر ندوی نے جو ایک معروف عالم دین' دانشور ہیں اور ایک عرصہ جماعت اسلامی سندھ کے امیر بھی رہے' میرے اس تجزیے کی تائید کی ہے کہ آپ کا تجزیہ بنیادی طور پر صحیح ہے۔ البتہ انہوں نے ایک چیز کا اضافہ کیا ہے کہ ان تحریکوں کی ناکامی کا ایک سبب باہمی مشاورت کی کمی بھی ہے۔ میں نے بعض احیائی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب میں ایک سبب دہشت گردی کا راستہ اختیار کرنا بھی شمار کیا تھا۔ مولانا ندوی صاحب نے اس ضمن میں تجویز کیا ہے کہ آپ دہشت گردی کا لفظ استعمال نہ کریں' یہ تو مغرب نے ہمارے لئے الزام کے طور پر استعمال کیا ہے' اس کے بجائے تشدد پسندی کے لفظ کا استعمال کریں۔

اپنے بیان کردہ ان تین اسباب میں آج ایک اضافہ کروں گا کہ منہاج محمدیؐ کی عدم پیروی بھی ان تحریکوں کی ناکامی کا ایک اہم سبب ہے۔ منہاج محمدیؐ کا پہلا اور اہم ترین قدم جس میں سب سے زیادہ Emphasis ایمان پر ہے' اس کی طرف ان تحریکوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ حضور ﷺ نے مکہ میں ۱۲ برس صحابہ کرامؓ کے اندر ٹھوک ٹھوک کر ایمان کو راسخ کیا۔ جب تک یہ ایمان نہ ہو' اقامت دین کا کام نہیں ہو سکتا۔ عموماً یہ بات بعض افراد کو سمجھ نہیں آتی کہ اقامت دین کی جدوجہد جس کے لئے ہم جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں' ارکان اسلام میں تو شامل نہیں ہے' پھر اس پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے۔ ارکان اسلام تو پانچ ہیں یعنی کلمہ شہادت' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ پھر یہ جہاد فی سبیل اللہ جو دین کا اہم رکن ہے' اس کا کیا مقام ہے؟ دراصل اسلام کے ارکان پانچ ہی ہیں جبکہ جہاد ایمان کا رکن ہے۔ اسلام اور ایمان کا فرق سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں بیان ہوا ہے:

''اور بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبی ان سے کہہ دیجئے تم ایمان ہرگز نہیں لائے بلکہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں (ہم نے اطاعت قبول کر لی) کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

اور اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ حقیقی ایمان کیا ہے تو اس سے آگے فرمایا:

> ''مومن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور پھر شک میں ہر گز نہیں پڑے۔ اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جان اور مال کے ساتھ جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔''

ارکان اسلام تو پانچ ہیں۔ اس آیت میں ایمان کے دو اضافی ارکان بیان ہوئے ہیں یعنی کلمہ شہادت اور دیگر ارکان اسلام کے ساتھ یقین قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ' تب یہ ایمان بنے گا۔ اقامت دین کے کام کے لئے جس استقلال' دوام اور صبر و مصابرت کی ضرورت ہوتی ہے وہ کیفیت ایمان کی پختگی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کام کے لئے ضروری ہے کہ ایمان انسان کا حال بن جائے۔ قال اور ہے' حال اور۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب تک اللہ پر ایمان زبانی اقرار تک محدود ہے کہ میں نے مان لیا اللہ موجود ہے' وہ ایک ہے' اکیلا ہے' اس کے کوئی ماں باپ نہیں' نہ اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہے' یہ ایمان صرف مجھے اور آپ کو مسلمان قرار دینے کے لئے ہے۔ ایمان باللہ حقیقت میں انسان کا حال تب بنے گا جب ہمیں یہ محسوس ہو کہ اس کائنات میں پتہ تک جنبش نہیں کرتا جب تک کہ اذنِ رب نہ ہو' تمام مادی اسباب و وسائل غیر موثر ہیں جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ یہ یقین ہو کہ خواہ تمام مادی ذرائع' مادی وسائل موجود ہوں تب بھی ان سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا جب تک اللہ نہیں چاہے۔ یہ یقین کہ اس کائنات میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کار فرما ہے۔ اسی طرح ایمان بالآخرۃ کے حوالے سے اس بات کا اقرار کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے' موت کے بعد ایک بڑی طویل زندگی ہے' جنت ہے' دوزخ ہے۔ تو اسلام کے لئے لازم ہے کہ آپ ان سب باتوں کو مانیں۔ لیکن جب تک کیفیت یہ نہ ہو جائے کہ اصلی اور حقیقی زندگی وہی نظر آئے' یہ زندگی ایک عارضی سا وقفہ محسوس ہونے لگے کہ یہ تو درحقیقت دیباچہ ہے کتاب زندگی کا' اصل کتاب زندگی تو بعد میں کھلتی ہے' بات نہیں بنے گی۔ صرف عقیدے کو ایمان حقیقی نہیں کہا جائے گا۔ ایمان بالآخرۃ کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا انسان کا مطلوب و مقصود نہ بنے بلکہ انسان کا طرز عمل اس حدیث کے مطابق ہونا چاہئے' جس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ((کن فی الدنیا کانک غریب او عابر السبیل)) ''دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم اجنبی ہو یا راستہ چلتے ہوئے مسافر''۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے' تمہاری منزل نہیں ہے بلکہ یہ ایک راہ گزر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں یہی الفاظ آئے ہیں: ''مجھے تمہاری اس دنیا سے کیا سروکار! میری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے اور کچھ دیر بعد درخت کو چھوڑ کر پھر اپنا راستہ لیتا ہے۔'' وہ درخت کو مطلوب و مقصود کا درجہ نہیں دیتا کیونکہ درخت اس کی منزل نہیں ہے۔ ایمان بالآخرۃ کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت ہی مطلوب و مقصود بن جائے۔

یہ جان لیجئے اقامت دین یا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جس درجے کا ایمان و یقین چاہئے' اس کی کیفیت یہ ہونی چاہئے جیسا کہ حدیث جبرئیل میں کہا گیا کہ تم اللہ کی بندگی کرو' اللہ کا خوف اتنا ہو' اللہ کے لئے بھاگ دوڑ' جدوجہد' جہاد اور قتال اس کیفیت کے ساتھ ہو گویا کہ تم اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یقین کی گہرائی اور گیرائی اس درجہ میں نہ ہو تو کم از کم اس درجہ میں ضرور ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ایمان کا یہ درجہ جب تک حاصل نہ ہو تو جہاد و قتال فی سبیل اللہ میں ثابت قدمی ممکن نہیں۔ آدمی ایک کام کو اچھا سمجھ کر عمل کا آغاز کر دیتا ہے لیکن پختہ ایمان کے بغیر اس میں دوام نہیں ہو سکتا' بلکہ عین ممکن ہے کہ جب قربانی دینے کا وقت آئے تو گھبرا اٹھے اور اس کے پاؤں میں لرزش ہو جائے۔ اس کا نقشہ قرآن مجید میں سورۃ الحج میں یوں کھینچا گیا ہے:

> ''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کرتے ہیں کنارے کنارے' (منجدھار کے بیچ کودنے کو تیار نہیں اس لئے کہ وہاں تو جان کا اندیشہ ہے)۔ اگر خیریت رہے' اچھے حالات سے سابقہ رہے تو مطمئن ہیں اور اگر آزمائش آ گئی' امتحان آ گیا تو پھر اوندھے منہ گر پڑے۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ یہی ہے سب سے بڑا خسارہ۔''

اسی کا نقشہ سورۃ البقرہ میں یوں کھینچا گیا ہے کہ اندھیری رات ہے' گرج ہے' تیز بارش ہے۔ کوئی قافلہ کہیں راہ میں پھنس گیا ہے۔ لوگ گھبرائے ہوئے ہیں۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونسی ہوئی ہیں کہ کہیں کڑک اور شور سے ہمارے کان نہ پھٹ جائیں۔ بجلی کے چمکنے سے جب روشنی ہوتی ہے تو دو قدم چل لیتے ہیں لیکن پھر جب تاریکی چھا گئی تو کھڑے رہ گئے۔ یہ نفاق کی کیفیت ہے۔ اگر کوئی شخص حقیقی ایمان (احسان کے درجے کے ایمان) کے بغیر اس وادی میں قدم رکھ بیٹھتا ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے جس کا نقشہ اوپر کھینچا گیا کہ وہ دو قدم چل کر رک جاتا ہے۔ اگر اس درجے کے ایمان کے حصول پر توجہ نہ دی جائے تو یہ تحریکیں اجتماعی سطح پر عجلت پسندی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ثابت قدمی سے جدوجہد کرنا ان کے لئے ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ بات قرین امکان ہے کہ تو وہ عجلت پسندی کے باعث غلط طریقہ ہائے اختیار کریں گی اور کہیں دلدل میں پھنس کر رہ جائیں گی۔ یہی ان تحریکوں کا حشر ہوا ہے۔ انفرادی سطح پر حقیقی ایمان سے محرومی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مضمحل ہو کر بیٹھ جائے گا کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے' یا اس سے بھی آگے بڑھ کر کہ یہ کام ہی غلط ہے' یہ فرض ہے ہی نہیں' یہ اقامت دین کی جدوجہد خواہ مخواہ ہم نے اپنے اوپر فرض قرار دے لی ہے۔ یہ فکری اور ذہنی انحراف خطرناک ترین ہوتا ہے۔

بہرحال ان تحریکوں کے لئے کرنے کا اصل کام ایمان حقیقی پیدا کرنے کا ہے۔ البتہ ایمان حقیقی بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ یقین تو ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی بصیرتِ باطنی موجود نہیں ہے۔ یہ دو چیزیں علیحدہ ہیں۔ یہ بصیرتِ باطنی بہت قیمتی شے ہے۔ پہلی قسم کے یقین کو Blind Faith (اندھا اعتقاد) کہا جا سکتا ہے۔ یہ Blind Faith بھی اپنی جگہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ یہ انسان کو بڑے سے بڑے خطرات سے ٹکرا دیتا ہے۔ ہمارے یہاں تبلیغی جماعت یہی ایمان پیدا کرتی ہے۔ تبلیغی جماعت کے تربیتی پروگرام سے گزرنے اور وقت لگانے کے بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ پیاس پانی سے نہیں بجھتی' اللہ کے حکم سے بجھتی ہے۔ بھوک کھانے سے نہیں مٹتی' اللہ کے حکم سے مٹتی ہے۔ ہر نوالہ انسان کے حلق سے اترنے سے پہلے اللہ سے اذن مانگتا ہے کہ میں اس کے حق میں غذا کا کام دوں یا زہر بن کر اتروں۔ ہر آن اللہ تعالیٰ کی مشیت' فعالیت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس ایمان میں بصیرتِ باطنی کا عنصر شامل نہیں ہے تو یہ معاشرے کو تبدیل کرنے اور اسلامی انقلاب برپا کرنے کے ضمن میں کچھ زیادہ مؤثر نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تبلیغی جماعت پھیل رہی ہے' اس کا پہیہ تیز سے تیز تر گھوم رہا ہے۔ چونکہ وہاں یقین قلبی والا ایمان موجود ہے لہٰذا وہ حرکت جاری ہے۔ لیکن ایمان کے اندر بصیرت والا پہلو نہیں ہے۔ لہٰذا کہیں بھی انقلاب کی بات نہیں آ رہی۔ کہیں نظام نہیں بدل رہا۔ ۳۰ لاکھ آدمی بھی اگر بنگلہ دیش میں تبلیغی اجتماع میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہاں کی عملی زندگی پر اس کے کوئی اثرات نظر نہیں آتے۔ دوسری طرف احیائی تحریکیں ہیں۔ ان کے یہاں ایمان حقیقی میں بصیرت ہے لیکن وہ گہرائی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ جذبہ وہاں نظر نہیں آتا جو آدمی کو بے چین کر دے' آرام نہ لینے دے' دھن لگ جائے یعنی اس کی زندگی اپنے مقصد کے گرد ایسے گھومے جیسے کھونٹے کے گرد کوئی جانور گھوم رہا ہو۔ یہ کیفیت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک ایمان اپنی Conviction کے اس Level تک نہ پہنچ جائے جسے درجۂ احسان کہا جاتا ہے۔ یہ ایمان کہاں سے ملے گا؟ اس ایمان کے لئے صرف ایک Source ہے اور وہ قرآن حکیم ہے۔ قرآن میں غوطہ زنی بلکہ قرآن میں ڈوب جانے سے وہ یقین والا ایمان حاصل ہوتا ہے جس کے اندر فہم بھی ہو' جس میں بصیرت' حکمت اور یقین کی گہرائی بھی ہو۔ اسی ایمان کا ذکر ملتا ہے سورۂ یوسف میں جہاں آنحضور ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا:

> ''(اے نبیؐ) فرما دیجئے: یہ میرا اختیار کردہ راستہ

(باقی صفحہ ۷ پر)

تاریخ اپنا قرض ری شیڈول تو کر لیتی ہے، معاف نہیں کرتی

بھارت امریکی اشارے پر ہی ہماری سرحدوں پر چڑھائی کئے بیٹھا ہے

ایک سوراخ سے بار بار ڈسے جانا ایمان ہی نہیں، عام ذہانت کے بھی خلاف ہے

صدر کے دورہ کی کامیابی یہ ہوگی کہ وہ امریکہ کو مشتعل کئے بغیر اپنی فوجیں پاکستان سے نکالنے پر رضامند کر لیں

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

یوں تو اللہ رب العزت نے پاکستان کو ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے لیکن پاکستان کے جغرافیائی محل وقوع کو نعمت عظمیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ہندو اور انگریز نے جب یہ محسوس کیا تھا کہ تقسیم ہند ناگزیر ہو گئی ہے تو انہوں نے اپنے طور پر ایسا کٹا پھٹا پاکستان مسلمانوں کے حوالے کیا جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ قائم نہیں رہ سکے گا لیکن ''تدبیر کنند بندہ تقدیر زند خندہ'' کے مصداق مسلمان برصغیر میں کچھ یوں پھیلے ہوئے تھے کہ مسلمان علاقوں پر مشتمل وجود میں آنے والے ملک پاکستان کی جیوسٹریٹجیکل پوزیشن لاجواب تھی۔ عسکری اور معاشی نقطہ نظر سے پاکستان کی اس اہمیت اور حساسیت کو عالمی قوتیں بھانپ چکی تھیں۔ لہٰذا پاکستان قائم ہوتے ہی سوویت یونین نے، جس کی قوت اور ہیبت سے اس وقت امریکہ اور مغربی یورپ دونوں لرزاں تھے، پاکستان سے رابطہ کیا اور وزیراعظم لیاقت علی خان کو سوویت یونین کے دورہ کی دعوت دی۔ ابھی اس دورہ کی تاریخ اور تفصیلات طے ہو رہی تھیں کہ امریکہ نے بھی اس نوزائیدہ ریاست کے وزیراعظم لیاقت علی خان کو سرکاری دورہ کی دعوت دے ڈالی۔ پاکستان کے وزیراعظم سوویت یونین کو نظرانداز کر کے امریکہ جا پہنچے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے لئے اس دورہ کی حیثیت خشت اول کی تھی لیکن بدقسمتی سے جغرافیائی ماحول اور اصول دونوں حوالوں سے خشت اول کی کجی بالکل واضح تھی۔ لہٰذا خارجہ پالیسی کا ٹیڑھ پن آج تک درست نہیں کیا جا سکا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وقت کے حکمرانوں نے جان بوجھ کر غلط فیصلہ کیا لیکن ایک بات یقینی ہے کہ انہوں نے عجلت پسندی کا مظاہرہ کیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ سوویت یونین کی طرف سے دورہ کی دعوت پہلے آئی تھی۔ ثانیاً اور اہم تر بات یہ تھی کہ مدمقابل حریف عالمی قوتوں میں سے امریکہ سات سمندر پار تھا جبکہ سوویت یونین ایک ایسی عالمی قوت تھی جو ہمارے اپنے خطہ میں واقع تھی۔ عین ممکن ہے کہ اس وقت یہ فیصلہ اس لئے کیا گیا ہو کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے لہٰذا وہ بے خدا اور لامذہب سوویت یونین کی بجائے کیوں نہ اللہ کو ماننے والوں سے تعلقات قائم کرے لیکن ساتھ ہی قرآن کی اس پیشین گوئی کو نظرانداز کر دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کبھی تمہارے دوست ثابت نہیں ہوں گے۔ بعد میں آنے والے پاکستانی حکمران اسی پالیسی کو آگے بڑھاتے گئے، لہٰذا پاکستان سیٹو اور سینٹو کا رکن بن کر علی الاعلان کمیونسٹ دشمن معاہدوں میں شامل ہو گیا۔ سوویت یونین کی جاسوسی کے لئے امریکہ کو پشاور کا اڈہ دے دیا گیا

ابوالحسن

یعنی سوویت نقطہ نظر سے ہم اس کی سلامتی کے لئے خطرہ بن گئے۔ جب سوویت یونین اور چین میں ٹھن گئی اور امریکہ نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانا چاہا تو ہم نے ایک مرتبہ پھر یحییٰ دور میں امریکہ اور چین کے درمیان پل کا کردار ادا کر کے سوویت یونین کی سخت ناراضگی مول لی۔ ہم نے امریکہ کے یہودی وزیر خارجہ کسنجر کو یوں چین پہنچایا کہ دنیا بھر کی خفیہ ایجنسیوں کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ اسی تاریخی واقعہ کے فوراً بعد ہی سوویت یونین نے بھارت سے تیس سالہ دفاعی معاہدہ کیا اور پاکستان کو دولخت کرنے میں کھلم کھلا اور بھرپور حصہ لیا۔ اگرچہ بعد میں یہ راز ہم پر کھلا کہ جس امریکہ کو دوست بنانے کے لئے ہم نے سب کچھ کیا تھا وہ بھی ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں دشمنوں کا ہمنوا تھا۔

امریکہ اور سوویت یونین میں سرد جنگ کا آغاز تو جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد ہی ہو گیا تھا اور کبھی کبھی ایسے مواقع بھی پیدا ہوئے کہ یہ سرد جنگ گرم اور خوفناک لڑائی میں تبدیل ہوتی ہوئی نظر آئی (خصوصاً کیوبا میں روسی اڈوں کے حوالہ سے)۔ بہرحال دونوں کی یہ خواہش تھی کہ وہ دوسرے فریق کو زیر کر کے عالمی سپریم قوت بن جائے۔ سوویت یونین سے تباہ کن غلطی یہ ہوئی کہ اس نے سارا زور عسکری شعبہ پر لگا دیا اور معیشت کی مضبوطی کو نظرانداز کر دیا۔ سوویت یونین یہ سمجھتا تھا کہ افغانستان اور پاکستان کو روندتے ہوئے اگر وہ گرم پانیوں تک رسائی حاصل کر لے تو اس کے معاشی دلدر خود بخود دور ہو جائیں گے۔ وہ مکمل منصوبہ بندی کے بغیر افغانستان میں داخل ہو گیا۔ امریکہ نے سوویت یونین پر کاری اور فیصلہ کن ضرب لگانے کے لئے اس کو سنہری موقع جانا۔ یہاں ایک بار پھر پاکستان نے امریکہ کو اپنے کندھے پیش کئے اور عملی طور پر سوویت یونین کے خلاف افغانستان کے میدان جنگ میں کود گیا۔ امریکہ کی یہ جنگ چونکہ کمیونزم کے سرپرست سوویت یونین کے خلاف تھی لہٰذا اس نے پاکستان کی اسلامی جماعتوں کی زبردست پشت پناہی کی۔ جہاد کا خوب غلغلہ ہوا۔ پاکستان میں جہادی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ امریکہ کے اسلحہ اور ڈالر نے افغانیوں کی جرأت و بہادری کے ساتھ مل کر سوویت یونین کو ناک رگڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایسا ذلیل و خوار ہو کر افغانستان سے نکلا کہ اپنی سالمیت کو بھی قائم نہ رکھ سکا۔ بہرحال عرض کرنا یہ مقصود ہے کہ اپنے دوست امریکہ کو عالمی سپریم قوت بنانے میں ہم نے ایک بار پھر تاریخی کردار ادا کیا۔ امریکہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا۔ وہ اس جنگ کے منفی نتائج بھگتنے کے لئے ہمیں اکیلا چھوڑ کر پھر سات سمندر پار واپس چلا گیا۔ سوویت یونین کا بڑا ٹکڑا یعنی روس اب بھی ہمارا بڑا دشمن ہے۔ وہ معاشی مفادات حاصل کرنے کے لئے امریکہ سے تعلقات استوار کر رہا ہے لیکن ہمیں معاف کرنے کو تیار نہیں ہے۔ کمیونزم کو فیصلہ کن شکست دینے کے بعد امریکہ نے اپنا اگلا ہدف اسلامی بنیاد پرستی کو نیست و نابود کرنا قرار دیا۔ پاکستان خود ایک اسلامی ملک ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا بلکہ دنیا بھر میں واحد اسلامی ملک تھا جس کی بنیاد نہ نسلی تھی نہ لسانی بلکہ خالصتاً مذہب اس کے قیام کی وجہ جواز تھا۔ اس کے باوجود امریکہ نے جب افغانستان کی اسلامی حکومت کو تباہ و برباد کرنے میں پاکستان سے تعاون مانگا تو پاکستان کے موجودہ حکمرانوں نے بلاچوں وچرا ایک برادر ہمسایہ اسلامی حکومت کے خلاف اپنا مکمل تعاون امریکہ کی جھولی میں ڈال دیا۔ لیکن امریکہ نے افغانستان میں اسلامی

حکومت کو ختم کر کے جو پہلا کام کیا وہ یہ کہ ہمارے ازلی دشمن بھارت کو اشارہ کیا اور وہ ایک عذر لنگ کی بنیاد پر ہماری سرحدوں پر دس لاکھ فوج لے آیا اور ہمیں دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

بھارت امریکی اشارے پر ہماری سرحدوں پر چڑھائی کئے بیٹھا ہے اور ہم امریکہ ہی کی منتیں کر رہے ہیں کہ وہ بھارت کو پاکستان پر حملہ سے باز رکھے جبکہ امریکہ بھی پاکستان کو یہ تاثر دے رہا ہے بلکہ صاف صاف کہہ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے بھارت حملہ کرنے سے رکا ہوا ہے۔ یہ ساری صورت حال پیدا کر کے اب پاکستان کے فوجی حکمران کو امریکہ طلب کیا گیا ہے کیونکہ امریکہ افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں کی معدنی دولت پر قبضہ جمانے کے لئے پاکستان کے تعاون کا محتاج ہے۔ وہ یہ تعاون لالچ دے کر اور ڈرا دھمکا کر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

افغانستان جو وسطی ایشیائی ریاستوں، چین اور روس کا ہمسایہ ہے وہاں طالبان کی اسلامی حکومت قائم ہونے سے ان ممالک کو بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان کے مسلمان اکثریت والے علاقے متاثر نہ ہو جائیں۔ لہٰذا یہ ممالک امریکہ کی طالبان دشمنی اور انہیں تباہ کر دینے پر بہت خوش تھے کہ ہینگ پھٹکری لگے بغیر رنگ چوکھا آئے گا۔ لیکن امریکہ اتنا بھولا نہیں تھا کہ اپنا اتنا بڑا خرچہ کرتا اور اپنے فوجیوں کی زندگیاں ان ممالک کے بھلے کے لئے خطرے میں ڈالتا۔ وہ علاقہ میں ڈیرے ڈال کر اس علاقہ کا رس چوسنا چاہتا ہے۔ لہٰذا علاقہ میں امریکہ کی مستقل موجودگی کے حوالہ سے اب روس اور چین کی امریکہ سے ٹھن گئی ہے جبکہ بھارت اس صورت حال کو بھانپ کر امریکہ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا پاکستان اپنے محل وقوع کی وجہ سے ایک بار پھر تمام عالمی قوتوں خصوصاً امریکہ کے لئے بہت اہم ہو گیا ہے۔

راقم کی رائے میں جس طرح آج سے پچاس سال پہلے لیاقت علی خان کے دورہ امریکہ سے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد وجود میں آئی تھی ویسے ہی آج پھر موقع میسر آیا ہے کہ جنرل مشرف پاکستان کی خارجہ پالیسی کو نئی بنیاد فراہم کریں۔ وہ امریکہ کو مشتعل کئے بغیر اس پر واضح کریں کہ علاقائی قوتوں کو نظر انداز کر کے پاکستان کا استحکام ہی نہیں اس کی بقا بھی خطرے میں ہے لہٰذا پاکستان علاقے میں ایک غیر جانبدار کردار ادا کر کے عالمی امن کو یقینی بنا سکتا ہے۔ امریکہ حسب سابق فوجی حکمران کو جمہوری قوتوں کا ڈراوا بھی دے گا اور پاکستان کے اندرونی خلفشار سے خوفزدہ بھی کرے گا، اقتصادی اور عسکری امداد کا لالچ بھی دے گا اور ذاتی اقتدار کو دائمی کرنے کے خواب بھی دکھائے گا___ لیکن جنرل مشرف کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ ضیاء الحق سے اپنا مطلب نکال کر ان کے جہاز کو ہوا میں خاکستر بھی کر دیتا ہے اور نواز شریف کو ذاتی دوست کہہ کر ان کے دیس نکالا ہونے پر مطمئن بھی ہو جاتا ہے۔

راقم کا خیال ہے کہ جنرل مشرف کا امریکہ میں زبردست استقبال کیا جائے گا۔ ان کی بڑی آؤ بھگت کی جائے گی۔ انہیں مہمان خصوصی کا درجہ دیا جائے گا۔ لیکن جنرل صاحب کو کسی بات سے متاثر ہوئے بغیر اعتدال کی راہ اختیار کرنی ہوگی۔ یہی اعتدال انہیں انجام بخیر کی طرف لے جا سکتا ہے۔ معتدل اور متوازن خارجہ پالیسی ہی پاکستان کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ہمیں دفاعی اور معاشی لحاظ سے مضبوط ہونے کے لئے غیروں کی بجائے اپنے بازوؤں پر انحصار کرنا ہوگا۔ ایک سوراخ سے بار بار ڈسا جانا ایمان ہی نہیں، عام ذہانت کے بھی خلاف ہے۔ راقم جنرل صاحب کی خدمت میں یہ عرض کرنا انتہائی ضروری سمجھتا ہے کہ آپ آگرہ سے خالی ہاتھ لوٹے تھے لیکن عوام نے آپ کو کندھوں پر بٹھایا تھا، اگر امریکہ سے خالی ہاتھ واپس آئے تو وہ آپ کو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ آپ کے امریکہ کے دورہ کی اصل کامیابی یہ ہے کہ آپ کوشش کریں کہ امریکہ مشتعل ہوئے بغیر اپنی فوجوں کو پاکستان سے نکالنے پر رضامند ہو جائے لیکن اگر وہ اس پر مشتعل بھی ہوتا ہے تو چودہ کروڑ پاکستانی اس نیک کام پر آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ آپ امریکی فوجوں کو یہاں سے فوری طور پر نکالنے کے موقف پر ڈٹ جائیں وگرنہ یاد رکھیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو دی گئی تجارتی سہولتوں نے ہمیں دو سو سالہ غلامی میں جکڑ دیا تھا تو امریکہ کو اڈے دینے پر ہمارا کیا حشر ہوگا___ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ تاریخ اپنا قرض ری شیڈول تو کر لیتی ہے، معاف نہیں کرتی! وما علینا الا البلاغ

بقیہ : منبر و محراب

ہے۔ میں دعوت دیتا ہوں (تمہیں) اللہ کی طرف بصیرت باطنی کی بنیاد پر، میں خود بھی اور میرے تمام پیروکار بھی (اسی بصیرت باطنی کے ساتھ اس کام میں سرگرم عمل ہیں)۔"

اللہ ہمیں یہ کام کرنے کی توفیق دے اور بصیرت باطنی والا ایمان عطا فرمائے!

حالات حاضرہ:

طاقت کے نشے میں بدمست امریکہ نے افغانستان کی طالبان حکومت پر خود جنگ مسلط کی اور اب جنگ میں گرفتار ہونے والے افراد کو وہ جنگی قیدی کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں۔ کیوبا کے فوجی اڈے گوانتاناموبے میں ان قیدیوں کے ساتھ جو غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے وہ انسانیت کی توہین اور تذلیل کے مترادف ہے اور اس پر پوری دنیا میں امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر یہی امریکی تہذیب و تمدن ہے جس کی حفاظت کے لئے اس نے حالیہ جنگ شروع کر رکھی ہے تو ان شاء اللہ جلد ہی امریکہ کے غرور کا سر نیچا ہو کر رہے گا۔

بسنت ایک ہندوانہ تہوار ہے کیونکہ اسلامی روایات میں کسی موسمی تہوار کا کوئی سرے سے ذکر نہیں اور ویسے بھی بعض تاریخی روایات کے مطابق یہ تہوار ایک ہندو شاتم رسول کی یاد میں شروع کیا گیا تھا، لہٰذا مسلمانان پاکستان کو غیرت اسلامی کی بنیاد پر اس تہوار کو نہیں منانا چاہئے۔ اس موقع پر بجلی کے نظام میں تعطل کے باعث عوام کی پریشانی اور قومی مالی نقصانات کے علاوہ قیمتی انسانی جانوں کا اتلاف بھی ہوتا ہے اور یہ نہایت افسوسناک امر ہے کہ اس تہوار کو گزشتہ چند سالوں سے سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہو گئی ہے۔ یہ عمل حکومت کے منافقانہ رویئے کی عکاسی کرتا ہے کہ ایک طرف تو مساجد میں اذان اور خطبہ کے سوا لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی ہے جبکہ بسنت کے موقع پر بلند آواز میں گانوں کی ریکارڈنگ اور لاؤڈ سپیکر پر شور و غل سے حکومت صرف نظر کئے رہتی ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں بالخصوص لاہور کے نوجوانوں سے میں اپیل کرتا ہوں کہ اس سال جبکہ بھارت نے کیل کانٹے سے لیس دس لاکھ افواج کو ہماری سرحدوں پر جمع کر رکھا ہے، اس تہوار کو نہ منانے کا اجتماعی فیصلہ کیا جائے۔

تنظیم اسلامی لاہور (جنوبی) کا ماہانہ دعوت فورم

جمعۃ المبارک 15 فروری کو شام 6:15 بجے

866۔ این، پونچھ روڈ، سمن آباد میں

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب بعنوان

جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت

کا ویڈیو بذریعہ پروجیکٹر بڑی سکرین پر دکھایا جائے گا۔

شرکت کی عام دعوت ہے

انتقال پُر ملال

☆ تنظیم اسلامی حلقہ سرحد (شمالی) کے رفیق جناب شیر قادر کی بھابی طویل علالت کے بعد انتقال کر گئی ہیں۔

☆ حلقہ دیر کے رفیق جناب غوث الرحمٰن کی ہمشیرہ کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد وفات پا گئی ہیں۔

تمام قارئین سے دونوں مرحوم خواتین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ **اللھم اغفر لھما وارحمھما وادخلھما فی رحمتک وحاسبھما حسابا یسیرا**

افغانستان پر حملے کے اصل مجرم!

کارمیک اور بلسل دو امریکی دانشوروں کی تصنیف حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے کے مطالعہ سے یہ بات صحیح ہو جاتی ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگون کے واقعات کو یاد بنا کر امریکہ نے افغانستان پر حملے کی جو واردات کی ہے اس کی منصوبہ بندی فی الحقیقت یہودی بینکاروں نے کی ہے۔ اس دعوے کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے امریکہ کے نظام اور بینکنگ سے متعلق چند حقائق کا ادراک ضروری ہے جن کا انکشاف اس تصنیف میں کیا گیا ہے۔ ان دانشوروں نے سولہویں صدی سے بینکاری کی تاریخ کا احاطہ کرتے ہوئے امریکی معیشت پر یہودی بینکروں کے تسلط کی شیطانی سازشوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ اہل یورپ کی باہمی جنگوں' نپولین کے عروج و زوال' امریکہ کی خانہ جنگی اور متعدد امریکی صدور کے قتل کی وارداتوں کے پیچھے اصل ہاتھ صرافوں اور پرائیویٹ بینکروں کا تھا' جن کے پاس جزوی ریزرو بینکاری (Fractional Reserve Banking) اور سود کی بنا پر قرض جاری کرنے کی بے پناہ قوت موجود تھی۔ ہر جنگ اور خانہ جنگی پیدا کرنے کے لئے اس قوت کو استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ ایک سادہ سی حقیقت ہے کہ جنگ کے دوران قلیل مدت میں کثیر اخراجات جس تیز رفتاری سے عمل میں آتے ہیں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔ چنانچہ جس حکومت کو بھی بینکر قرض کی فراہمی کا ذمہ لے لیتے وہ دوسرے ملکوں کے خلاف لشکر کشی شروع کر دیتی۔ گویا جنگ ابھارنے میں کلیدی کردار سرمایہ فراہم کرنے والوں کا تھا جو کہ پرائیویٹ بینکر اور صراف ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ میں پرائیویٹ بینکر کرنسی کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے حکومت کے ساتھ مسلسل برسرپیکار رہتے۔ جو صدر اس معاملے میں زیادہ مزاحمت کرتا 'اسے راستے سے ہٹا دیا جاتا۔ لنکن نے کانگریس کے ذریعے اپنے کرنسی چھاپ کر بینکروں کی پیدا کردہ خانہ جنگی پر قابو تو پا لیا لیکن یورپی بینکروں کی مدد سے انہوں نے لنکن کی کرنسی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور امریکہ میں پرائیویٹ بنک کے قیام کا مطالبہ منوا لیا۔ اس کے ساتھ بینکاروں نے کانگریس کو مجبور کیا کہ سرکاری نوٹ ختم کر دے جسے کانگریس نے تسلیم کر لیا۔ لنکن روپے کی قوتوں کو کنٹرول کرنا چاہتا تھا لیکن دوبارہ صدر منتخب ہونے کے ۴۱ دن بعد قتل کر دیا گیا۔ لنکن کو قتل کروانے میں سب سے زیادہ دلچسپی بینکاروں کو تھی۔

اس طویل داستان کی سب سے زیادہ چشم کشا حقیقت یہ ہے کہ آج امریکہ میں ڈالر پر اصل کنٹرول پرائیویٹ بینکاروں کا ہے۔ وہ اس طرح کہ امریکی حکومت ڈالر پیدا کرنے کے لئے بانڈ فروخت کرتی ہے جسے عام لوگوں کے علاوہ فیڈ (یعنی فیڈرل ریزرو سسٹم) خرید لیتا ہے اور ان کے خلاف ڈالر چھاپ کر کاغذ پر بینکوں کو ٹرانسفر کر دیتا ہے۔ گویا امریکی حکومت ڈالر کے لئے فیڈ کی محتاج ہے۔ یہ ادارہ سات ممبروں پر مشتمل ہے۔ سات میں سے پانچ ممبر پرائیویٹ بینکوں کے نمائندہ ہوتے ہیں جن میں دو بینکوں یعنی سٹی بنک اور بنک مین ہٹن کا حصہ 52.86 فی صد ہے۔ صرف دو نمائندے صدر امریکہ کی طرف سے آتے ہیں جو وال سٹریٹ کے بینکروں کی رضامندی کے

طاہر ابرار

بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ امریکی حکومت دنیا کی سب سے زیادہ مقروض حکومت ہے تو وہ فی الاصل فیڈ کے ذریعے سے پرائیویٹ بینکروں کی مقروض ہے۔ امریکہ کی قومی دولت کا 75 فی صد حصہ پانچ یہودی بنکوں (سٹی بنک' چیز مین ہٹن' یونین ٹیکساس' مینوفیکچررز ہینوور اور جی پی مارگن) کے قبضے میں ہے۔

اب یہ بات سمجھ میں آنی مشکل نہیں کہ دنیا کی سب سے زیادہ مقروض حکومت کو جنگ کرنے کے لئے وسائل قرض کی صورت میں کس نے مہیا کئے ہیں۔ امریکی حکومت افغانستان پر حملہ کرنے کے تیسرے ہفتے میں ہی "وار بانڈز" چھاپنے پر مجبور ہو گئی تھی اور یہ بانڈز کس نے خریدے ہوں گے' اس کا اندازہ کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔ اس پزل کو مزید جوڑنے کے لئے اس بحران کا علم ہونا بھی ضروری ہے جو پچھلے چند سالوں سے مغرب کے کمرشل بینکوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ پچھلے تین چار برس سے "اکانومسٹ" اس بات کا تذکرہ کر رہا ہے کہ کیپٹل مارکیٹ کے پھول کر کپا ہو جانے کی وجہ سے کمرشل بنک شدید مقابلے بازی اور نتیجتاً بحرانی کیفیت کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آئے دن کوئی نہ کوئی بنک دیوالیہ ہو رہا ہے' یا پھر چند بنک آپس میں ادغام کر کے اپنی بقا کا سامان کرتے نظر آتے ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیاں کمرشل بنکوں سے قرض لینے کی بجائے براہ راست Debt جاری کر رہی ہیں۔ گیارہ ستمبر کے واقعات سے متصلاً قبل تقریباً سال بھر سے امریکہ کی معیشت Recession کا شکار چلی آ رہی ہے۔ بنک 4 فیصد شرح سود پر قرض دینے پر مجبور ہو چکے تھے۔ کاریں بنانے والی کمپنیاں ڈاؤن پیمنٹ کے بغیر نقد قیمت پر قسطوں میں گاڑیاں بیچنے کے جتن کر رہی تھیں۔ صنعتی اور تجارتی اداروں میں لے آف ہو رہا تھا۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا شعبہ خاص طور پر کساد بازاری کی زد میں تھا۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ سال کے اختتام تک امریکہ کی معیشت اس Recession سے نکل جائے گی لیکن جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے وہ وقت آنے ہی نہیں دیا اور اس پہلے معاشی بحران کے ساتھ امریکی حکومت کے لئے دوسرا بحران ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر کے پیدا کر دیا۔

اس واردات سے فوری طور پر یہ نتیجہ حاصل کرنا مقصود تھا کہ امریکی حکومت کو مشتعل کر کے اس کی وار مشین کو اولاً افغانستان اور بالآخر عالم اسلام کے خلاف لشکر کشی پر آمادہ کر دیا جائے۔ اس نتیجے کو حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ افغانستان پر حملے اور قبضے کے بعد اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ لیکن یہودیوں کا اہم ترین ہدف پاکستان کی ایٹمی جنگی صلاحیت ہے' اس لئے کہ یہودیوں کو ہیکل کی تعمیر کے لئے مسجد اقصیٰ کو نعوذ باللہ منہدم کرنا درکار ہے۔ اس اقدام پر یہودیوں کو عالم اسلام میں پیدا ہونے والے ردعمل سے ہرگز کوئی تشویش نہیں سوائے پاکستان کے جہاں جہادی مومینٹم کے ساتھ ایٹمی حملہ کی صلاحیت بھی پائی جاتی ہے اور تل ابیب اس ایٹمی حملے کی رینج میں ہے۔ اس صلاحیت کو ختم یا مفلوج کئے بغیر ہیکل کی تعمیر کے آخری مرحلے کو بروئے کار لانے کی ہمت یہودی اپنے اندر نہیں پاتے۔ اس صلاحیت کو مفلوج کرنے کا کام وہ امریکہ کی وار مشین کے ذریعے لینا چاہتے ہیں جسے افغانستان پر حملے کے ذریعے متحرک کر کے وہ امریکی حکومت کو تیسرے اقتصادی بحران میں ڈال چکے ہیں۔ ایک دوسرے کے بعد آنے والے یہ تینوں بحران امریکی حکومت کو درحقیقت مکمل طور پر یہودی بینکاروں کے ہاتھوں یرغمال بنا چکے ہیں' اگرچہ اس حقیقت کے سطح پر نمودار ہونے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔

اس عظیم تر منصوبے کے لئے اس یرغمال حکومت کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ضمنی اہداف بھی ہیں۔

۱) شدید اضمحلال کے شکار کمرشل بینکنگ کے نظام کی بقا کے لئے قرض کی وسیع پیمانے پر ڈیمانڈ پیدا کرنا۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تعمیر نو' انشورنس اور فضائی کمپنیوں کی بحالی کے لئے درکار وسائل اور سب سے بڑھ کر اسلحہ سازی اور گولہ بارود کے ضمن میں حکومت کو درکار مالی وسائل اسی مقصد کو پورا کریں گے۔

۲) بش فیملی کا تعلق تیل کے کاروبار سے ہے۔ افغانستان پر

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

''ویلنٹائن ڈے'' یا سرخ آندھی

انگریزی کے ایک مقولے کے مطابق دوسری جانب کی گھاس ہمیشہ زیادہ سرسبز نظر آتی ہے لہٰذا ساون کے ایسے تمام اندھوں کو مغربی تہذیب انتہائی ماڈرن دکھائی دیتی ہے اور وہ غیر اسلامی رسموں و تہواروں کے لئے اپنی چشم کو روشن اور دل کو شاد کر لیتے ہیں۔ ایک دور تھا کہ جب سرخ آندھی آتی تھی تو لوگ سہم جاتے تھے کہ کہیں قتل ہوا ہے اور توبہ واستغفار شروع کر دیتے تھے۔ آج ہر طرف مسلمان لہو رنگ ہیں لیکن اہلِ وطن کی بے حسی کبھی بسنت کی زردی میں ڈھل جاتی ہے اور کبھی ویلنٹائن ڈے کی سرخ آندھی بن کر چھا جاتی ہے۔ حالیہ چند برسوں میں عیسائیوں کی شیطانی رسم ویلنٹائن ڈے کو پاکستان میں بھی منایا جانے لگا ہے اور یہ سلسلہ دن بدن دراز ہوتا چلا جا رہا ہے خصوصاً نوجوان طالبات میں سرخ لباس' سرخ جوتے' سرخ پھول' کارڈز' ٹیڈی بیئر' سیب اور چاکلیٹ کے ساتھ ساتھ دل کی شکل کی گھڑیاں اور پکچر فریم اس واہیات رسم کے خاص اجزائے ترکیبی ہیں۔

ویلنٹائن ڈے سے جو کہ ۱۰ سے ۱۶ فروری تک منایا جاتا ہے' کئی روایات منسوب ہیں۔ تیسری صدی کے رومیوں کا یقین تھا کہ اگر وہ ہر سال فروری میں اپنے دیوتا Lupercus کو سرخ رنگ کے نذرانے پیش کریں تو انکے ڈھور ڈنگر بھوکے بھیڑیوں سے محفوظ رہیں گے۔ اس موقع پر ایک ڈبے میں علاقے کی تمام نوجوان لڑکیوں کے نام لکھ کر ڈالے جاتے تھے اور لاٹری کے ذریعے منتخب ہونے والی لڑکی کو پورے سال کے لئے پادری کی خدمت کے لئے وقف کر دیا جاتا تھا۔ یہ عمل Juno Februato نامی دیوی کو خوش کرنے کے لئے کیا جاتا تھا اور کئی پادریوں میں سے یہ ''اعزاز'' پانے والا پادری ویلنٹائن کہلاتا تھا جس کا مطلب ہے عزیز ترین ہستی۔ اسی دوران روم کے بادشاہ Claudius نے اپنے ملک کو درپیش جنگوں سے نمٹنے کے لئے مردوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تو اس وقت کے نوجوان پادری سینٹ ویلنٹائن نے چوری چھپے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرنا شروع کر دی جو جنگ سے بھاگنے اور مردوں اور عورتوں کی دوستی کا باعث بننے لگا۔ راز کھل جانے پر بادشاہ نے اس جرم کی پاداش میں سینٹ ویلنٹائن کو ۱۴ فروری ۲۷۰ء میں قتل کرا دیا اور یوں اس پادری کے پیشرو اس دن کو اس کی یاد میں مناتے ہیں۔

افسوس کہ اب وطنِ عزیز میں بھی اس دن کو کمرشلائز کر کے منایا جا رہا ہے۔ گزشتہ برس گل فروشوں نے سرخ گلاب کے ایسے گلدستے جو عام طور پر ۶۰ روپے میں مل جاتے ہیں ۳۰۰ سے ۴۰۰ روپے تک میں فروخت کئے۔ روم کے لوگ سرخ گلاب بطور مقدس پھول اپنی محبت اور خوبصورتی کی دیوی وینس کی نذر کرتے تھے۔ اسی طرح کیوپڈ بھی ویلنٹائن کا خصوصی امیج اور علامت ہے اور رومن عقیدے کی رو سے وینس کا بیٹا ہے۔ یوں یہ پوری رسم شرک اور توہم پرستی کی غلاظت میں لتھڑی ہوئی ہے۔ جس کی ہماری شریعت کی رُو سے ہماری معاشرت میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ یہ عشق و عاشقی کے فروغ کا ایک بے ہودہ سلسلہ ہے جو انسان کے دل و دماغ اور قیمتی وقت کو قطعی غیر ضروری اور بے تکے مشغلے میں مشغول رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف نئی نسل کو راہ راست سے بھٹکانے کا باعث

رعنا ہاشم خان

بن رہی ہے بلکہ ان تعلیمات سے دور کرنے کا سبب بھی ہے جو ہمارا دین ہمیں دیتا ہے۔

پاکستان کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی ممالک کو بھی یہ سرخ آندھی اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ ملائشیا میں ٹی۔وی اور ریڈیو اس موقع پر خصوصی پروگرام ڈش آؤٹ کرتے ہیں۔ تاہم ملائشیا کی اصلاحی تحریکوں نے اس رسم کو اسلامی معاشرے کے لئے انتہائی مہلک قرار دیا ہے۔ سعودی ممالک اس کی روک تھام کے لئے سختی سے کام لے رہے ہیں۔ اس موقع پر ریاض اور جدہ میں سرخ رنگ کی اشیاء اور سرخ پھول بیچنے پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔ تعلیمی اداروں میں طالبات اس دن یہ رنگ استعمال نہیں کر سکتیں۔ ریستوران اور ہوٹل پابند کر دیے جاتے ہیں کہ اس دن کسی میز پر کوئی سرخ پھول' کینڈل یا میز پوش نہیں ہوگا۔ میوزک نہیں بجایا جائے گا اور سیب' ٹماٹر اور اسٹرابری نہیں پیش کئے جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر وطنِ عزیز کا جائزہ لیا جائے تو یہ روح فرسا حقیقت سامنے آتی ہے کہ قومی اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ بسنت کی مانند اب ویلنٹائن ڈے کو بھی پاکستانی معاشرے کا اہم جز بنا دینے پر کمر کس چکے ہیں۔ آج کے حالات میں جبکہ سیکولر طاقتیں ہم پر ہر طرف سے میڈیا اور کلچر کی شکل میں حملہ آور ہیں ضروری ہو چکا ہے کہ ایسی فضول رسومات کا توڑ کیا جائے جن کے ذریعے اسلام دشمن قوتیں اور عناصر نہ صرف اُمت مسلمہ کو کمزور بنا دینے پر تلی ہوئی ہیں بلکہ اسلام کو تباہ کر دینے کی سازشوں میں بھی مصروف ہیں۔

غیر ملکی مصنوعات کو ہم نے اپنے اوپر اس قدر طاری کر لیا ہے کہ اب اس کے دکھاوے کے لئے ان کی رسومات بھی چاہئیں۔ آج ضرورت ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں طلباء اور طالبات کو بڑے پیمانے پر اس کی اصلیت اور مضمرات سے روشناس کرایا جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کے اثرات انسانوں کے لئے واقعی تباہ کن ہیں۔ سورۂ لقمان کی آیت ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ ......﴾ میں ایسے کاموں کے حرام ہونے کا ذکر ہے جو اعتقادی گمراہی کا سبب بنیں اور عملاً دینی غفلت کا موجب ہوں۔

۱۴ فروری کو مغرب کی اندھی تقلید میں عالمی یومِ محبت کے طور پر منانے والے مسلمان ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت انکے لئے ہر شے پر مقدم نہیں ہے۔ یقین کیجئے یہ عالمی یومِ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے سچے سیدھے راستے سے بھٹکانے کے لئے ہے۔ بے شک آج اسلامی معاشرت اختیار کرنے والوں کو آگ کے دریا کو ڈوب کر پار کرنے کی نوبت آ چکی ہے لیکن ایسا کرنے والوں کے لئے پیارے نبی ﷺ کی یہ خوشخبری بھی تو موجود ہے کہ:

''اے مسلمانو! تم پر بہت بھاری دن آنے والے ہیں اور جو تم میں سے اس دور میں اس (دین) پر قائم رہے گا اس کے لئے تمہارے پچاس آدمیوں جیسا اجر ہوگا۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا کہ آیا ان کے پچاس آدمیوں جتنا اجر ملے گا تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا نہیں' بلکہ تم میں سے پچاس جیسا''۔

وہ زندگی کسی کام کی نہیں جسے بغیر سوچے سمجھے' بغیر محاسبہ کئے محض تفریح کے نام پر گزار دیا جائے۔ ہمیں تفریح سے کوئی بیر نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''تم کبھی کبھی اپنے قلوب کو تفریح دیا کرو''۔

لیکن ہم نے اوپر جو کچھ تحریر کیا ہے وہ تفریح نہیں' شرک کی ترویج ہے' اسلامی روایات سے انحراف ہے اور احساسِ زیاں کا ایسا فقدان ہے جو پوری قوم کو بیداری سے بیماری کی طرف لے جاتا ہے اور یہی استدراج کہلاتا ہے یعنی اللہ کی گرفت سے پہلے رسّی دراز کر دی جاتی ہے۔

ضرورت رشتہ

برسر روزگار' عمر ۴۴ سال' تعلیم انٹر میٹرک' پٹھان فیملی سے تعلق رکھنے والے کنوارے مرد کے لئے دینی گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

رابطہ: عبدالوہاب خان' فون : 7589157

(صبح ساڑھے نو بجے سے پہلے یا پھر نماز عشاء کے بعد)

اسلام کے بارے میں غیروں کی پیشین گوئیاں اور ہمارا طرزِ عمل!

ان دنوں مشرق وجنوب کے دانشوروں نے اسلام اور مسلمانوں کو مشقِ ستم بنا رکھا ہے اور تان امریکہ ومغرب کی ذہنی، اخلاقی اور سائنسی وتکنیکی برتری، فتح اور تسلط پر ٹوٹ رہی ہے۔ سائنس وٹیکنالوجی میں برتری کا اعتراف تو ہر معقول شخص کو ہے لیکن ذہنی و اخلاقی برتری کا بھانڈا کیوبا کے جزیرے اور حامد کرزئی کے افغانستان میں بیچ چوراہے کے پھوٹ رہا ہے جہاں امریکہ نے اخلاقیات کے نئے پیمانے وضع کئے ہیں اور جنگل کے قانون کا ایک نیا میگنا کارٹا تشکیل دیا ہے۔ مگر دنیا میں ایسے دانشور اب بھی موجود ہیں جو اسلام کو روس کے کمیونزم، جرمنی کے نازی ازم اور جاپان کے فیوجی ازم کی طرح کا مذہب نہیں سمجھتے جسے امریکہ اپنے یورپی اتحادیوں کے ساتھ مل کر صفحۂ ہستی سے مٹا دے۔

پیٹرک جے بیوچینن انہی امریکی دانشوروں اور صحافیوں میں سے ایک ہے جس کا خیال ہے کہ "حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ۶۳ سال پہلے جب اسلام مغربی سلطنتوں کے قدموں تلے روندا جا رہا تھا تو ایک مشہور کیتھولک ادیب نے پیش گوئی کی تھی کہ: اسلام کو دوبارہ عروج نصیب ہوگا۔ یہی ادیب ہیلر بیلوک لکھتا ہے کہ: مجھے ہمیشہ ایسا نظر آتا ہے کہ اسلام دوبارہ غالب آئے گا' اگر ہمارے بچے نہیں تو ہمارے پوتے اسلام کا احیاء دیکھیں گے اور اسلام کو اپنے ہزار سالہ پرانے حریف عیسائیت اور اس کی ثقافت کے خلاف جدوجہد میں مصروف دیکھیں گے۔ ہیلر بیلوک کے خیال میں اسلام عیسائیت کا ہم پلہ مدمقابل ہے اور اس کی قوت اس عقیدے میں ہے کہ اللہ ایک ہے' سب سے بڑا ہے' انصاف اور رحم کرتا ہے اور اس کی نگاہ میں تمام انسان برابر ہیں۔ بیلوک کا خیال ہے کہ اسلام اپنی ان منطقی اور سادہ تعلیمات کے زور پر بہت جلد پھر ایک اصلاحی مذہب کی جگہ لے گا اور انسانیت کی توجہ کا مرکز بنے گا۔"

پیٹرک ماضی کی صلیبی جنگوں اور مسلم عیسائی کشمکش کا جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے "تاریخ کے بڑے سوالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلامی دنیا کیسے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی! صرف ایک صدی پہلے مسلمان پوری دنیا پر جنگی اعتبار سے برتری رکھتے تھے لیکن ۱۹ویں اور ۲۰ صدی کے دوران طاقت کا توازن بگڑ گیا اور اسلامی دنیا نہ صرف مغرب کے قدموں میں آ گئی بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی' صنعت وحرفت' مواصلات' فوجی صلاحیت اور طرز حکمرانی میں بھی بہت پیچھے چلی گئی اور اپنے دور کی سب سے بڑی طاقت سلطنت عثمانیہ یورپ کا مرد بیمار قرار پائی۔ اس کے بعد مغربی استعمار (نوآبادیت) کا دور آ گیا۔ ۱۹۱۵ء میں گیلی پولی کے مقام پر مغرب کو اسلام کے ہاتھوں آخری بار شکست ہوئی اور پھر مغربی فتوحات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا کہ آج ہمیں یاد بھی نہیں کہ ۱۹۱۵ء میں ہم مسلمانوں سے ایک شرمناک شکست کھا چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر اسلام اور

ارشاد احمد عارف

مغرب کے درمیان تہذیبوں کی جنگ شروع ہو چکی ہے تو ان میں طاقت کا توازن کیا ہے!"

"دولت اور طاقت میں مغرب کو بالادستی حاصل ہے لیکن یہ چیزیں اگر کسی ملک کو تباہی سے بچانے میں کارآمد ہوتیں تو سوویت یونین اپنے جوہری ہتھیاروں اور روایتی اسلحہ کے انباروں تلے ڈوب کر ختم نہ ہوتا۔ روم بھی بہت بڑی سلطنت تھی لیکن آج اس کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ اقوام کی زندگی مادی قوتوں کی مرہون منت نہیں ہوتی' بلکہ ایک قوم کو زندہ رہنے کے لئے کچھ جذبوں اور اقدار کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلام ان چیزوں سے مالا مال ہے۔"

پیٹرک ایک محب وطن امریکی کے طور پر اپنے ہم وطنوں اور ہم عقیدہ اقوام کو خبردار کرتا ہے کہ "اگر عقیدے کی کوئی اہمیت ہے تو اسلام ایک فوجی قسم کا دین ہے جبکہ عیسائیت پسپائی کی ترغیب دیتا ہے۔ آبادی کے معاملہ میں اسلام بڑھتا ہوا سیلاب ہے اور مغرب موت کی جانب گامزن ہے۔ مسلمان اسلام کی خاطر جنگ' موت اور شکست ہر چیز کے لئے تیار ہیں جبکہ مغرب اپنے زخمیوں کو دیکھ کر خوف سے کانپ اٹھتا ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر غصہ سے بھرے ہوئے ہیں اور مغرب اپنی تہذیبوں اور معاشرت پر معذرت خواہ ہے۔ اسلام کو جہاں موقع ملتا ہے' اپنے نفاذ کی کوشش کرتا ہے جبکہ ہم مذاہب کی برابری کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسلام اپنی تاریخ پر فخر کرتا ہے اور مغرب کو اپنی تاریخ پر شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ اسلام کو حقیر یا دیگر مذاہب کی طرح عام مذہب سمجھنا ہماری سخت غلطی ہوگی کیونکہ یہ دین مذاہب کے زوال کے اس زمانے میں بھی ایک واحد منطقی اور روحانی نظریہ حیات کے طور پر یورپ میں سب سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ پھیلنے والا مذہب ہے جبکہ عیسائیت خود مغرب میں ختم ہو رہی ہے۔ چرچ خالی ہوتے جا رہے ہیں اور مساجد بھرتی جا رہی ہیں۔ عیسائیت پسپا ہو رہی ہے اور اسلام آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے"۔

"ایک عقیدہ کو شکست دینے کے لئے عقیدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے پاس کیا ہے؟ انفرادیت' جمہوریت' برابری؟ کیا ان چیزوں سے ہم ایک ایسے جنگجو عقیدے کو شکست دے سکتے ہیں جو پندرہ سو سال سے حرکت میں ہے اور اب دوبارہ کروٹ لے کر بیدار ہو رہا ہے؟"

پیٹرک کی طرح اور بھی کئی امریکی ومغربی فلاسفر یہی سوچ رکھتے ہیں' مگر ہمارے فلاسفر اور دانشور اور حکمران صرف بش' ٹونی بلیئر اور ان کے گماشتہ تجزیہ نگاروں کی باتیں سن کر یہ فرض کر بیٹھتے ہیں کہ ہماری بقا صرف اور صرف امریکہ کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے اور اس کی برتری کا اعتراف کر لینے میں ہے۔ پیٹرک کے تجزیے کا ماحصل یہ ہے کہ علوم وفنون اور سائنس وٹیکنالوجی میں تیز رفتار پیش رفت کرنے کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے جنگجو یا جہادی عقیدے پر سختی سے کاربند رہنا پڑے گا ورنہ تہذیبوں کے تصادم میں کامیابی ان کا مقدر نہیں بن سکتی۔

(بشکریہ: نوائے وقت)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر **اسرار احمد** مدظلہ کی تالیف

ایجاد وابداعِ عالم سے عالمی نظامِ خلافت تک

تنزل اور ارتقاء کے مراحل

☆ حیاتِ ارضی کا ارتقاء ☆ تکمیل تخلیق آدم
☆ عطاءِ خلعت خلافت ☆ رحم مادر میں تخلیق آدم کے مراحل کا اعادہ

جیسے بہت سے اہم موضوعات پر قرآن وسنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ڈارون تھیوری کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے سوالوں کے تسلی بخش جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

قیمت: ۲۴ روپے ☆ عمدہ طباعت ☆ صفحات: ۶۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اگر پاکستان عالمی اتحاد کی بات نہ مانتا تو کیا اس کا حشر بھی افغانستان جیسا نہ ہوتا؟

——— انجینئر نوید احمد کی سلسلہ وار تحریر ———

(آخری قسط)

کئی دانشور تحریر و تقریر کے ذریعہ اس موقف کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ حکومت پاکستان نے اگر عالمی اتحاد میں شمولیت کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو آج پاکستان کا حشر بھی افغانستان جیسا ہوتا۔ افغانستان پر امریکی حملے کے حوالے سے اکثر مسلمان حکومتوں کا کردار افسوسناک رہا' البتہ حکومت پاکستان کا کردار افسوسناک ہی نہیں بلکہ بدترین اور مجرمانہ ثابت ہوا۔ پاکستان نے طالبان کی حکومت کی تشکیل میں مدد دی' سب سے پہلے ان کی حکومت کو تسلیم کیا اور عالمی دباؤ کے باوجود ان کی حمایت جاری رکھی۔ البتہ مشکل وقت آتے ہی خودغرضی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے طالبان کے ساتھ بے وفائی کی عبرتناک مثال قائم کی۔ افغانستان ہمارا پڑوسی مسلمان ملک ہے جس کے ہم پر کئی احسانات ہیں۔ افغانستان کی موجودہ جغرافیائی حدود کے ساتھ تشکیل کا کارنامہ احمد شاہ ابدالی ؒ نے انجام دیا تھا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کی دعوت پر ہندوستان آ کر' اگر مرہٹہ قوت کو ختم نہ کیا ہوتا تو ہندوستان میں نہ مسلمان بچتے اور نہ ہی پاکستان قائم ہوتا۔ لیکن ہم نے اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا اور ان کے خلاف امریکہ کا ہر طرح سے ساتھ دیا۔ امریکہ کی دھمکی کے سامنے سر جھکا کر ہم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا لیکن اپنے ذرائع ابلاغ سے اسے جراتمندانہ اور دلیرانہ اقدام قرار دیتے رہے:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اقبال نے اس طرح کے نام نہاد مسلمانوں سے کیا دردمندانہ شکوہ کیا تھا:

جاں بھی گروِ غیر' بدن بھی گروِ غیر
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے
یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے' یورپ سے نہیں ہے

ہم نے خودغرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب اسلام کے بجائے "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگایا تو بھارت کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے ہماری اس روش پر یہ کہہ کر بھرپور طنز کیا کہ "پاکستان کو اب دوقومی نظریہ کا نام نہیں لینا چاہئے۔ اگر دوقومی نظریہ کی کوئی حقیقت ہوتی تو پاکستان کفر کے مقابلے میں اسلام کا ساتھ دیتا اور طالبان کی ہرممکن مدد کرتا۔"

طالبان نے تو جان و مال پر عزت و ایمان کو ترجیح دیتے ہوئے جراتمندانہ موقف اختیار کیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت کی اعلیٰ نعمتوں کے حقدار ہو گئے لیکن ہمارا معاملہ یہ ہے کہ **خسر الدنیا والاخرۃ** یعنی دنیا میں بھی خسارے میں رہے اور اگر توبہ نہ کی تو آخرت کے گھاٹے کا بھی سامان کر لیا کیونکہ افغانستان میں شہید ہونے والے ہزاروں مسلمانوں کی ہلاکت کے جرم میں ہم بھی شریک ہیں اور ان کے خون سے ہمارے ہاتھ بھی رنگے ہوئے ہیں۔ عالمی اتحاد میں شامل ہو کر پاکستان صرف فوری تباہی سے بچ گیا لیکن ہماری سالمیت' ایٹمی صلاحیت' معیشت اور کشمیر پالیسی جس قدر خطرے میں اب ہے اس سے قبل کبھی بھی نہیں تھی' جس کے شواہد ہیں:

1) طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد پاکستان کی مغربی سرحد بھی غیر محفوظ ہو چکی ہے جبکہ مشرقی سرحد پر تو پہلے ہی ہمارا ازلی دشمن بھارت ہمیں تباہ کرنے کے درپے ہے۔

2) امریکہ ہمیشہ ہماری ایٹمی صلاحیت کا دشمن رہا ہے۔ اب اس کے اڈے ہمارے ملک میں قائم ہو چکے ہیں اور وہ جب چاہے ہماری اس صلاحیت کو مفلوج کر سکتا ہے۔

3) کشمیر کے حوالے سے امریکہ اور بھارت کے موقف میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں جہادی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے کر انہیں ختم کرانے کے درپے ہیں۔

4) افغانستان پر حملے کی وجہ سے پاکستان میں تجارتی سرگرمیاں بری طرح سے متاثر ہوئیں جس کے معیشت پر منفی اثرات پڑے۔ باوجود اپیلوں کے' کسی ملک نے قرضے معاف نہیں کئے جو امداد فراہم کی' وہ بھی انتہائی حقیری ہے۔

افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمہ کے بعد اب امریکہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو مفلوج کرے گا' کشمیر کا مسئلہ ہندوستان کے مفادات کے مطابق حل کرائے گا' پاکستان میں فوجی حکومت سے دینی قوتوں کا قلع قمع کرائے گا اور پاکستان کو دفاعی ساز و سامان اور وسائل کے اعتبار سے ایک ایسا ملک بنا دے گا جو Greater اسرائیل کے لئے کبھی بھی خطرہ نہ بن سکے۔ غور کیجئے کیا امریکی وسیع جنگی تیاریوں کے ساتھ اس علاقے میں صرف طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے؟ نہیں! امریکہ اس علاقے میں بقول اس کے دس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ طویل قیام کی منصوبہ بندی سے آیا ہے اور اس کے مقاصد میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو مفلوج کرنا' چین و ایران پر نگاہ رکھنا اور وسطی ایشیا کی ریاستوں کے معدنی و تیل کے ذخائر پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔

دعوتِ فکر

زندگی ——— ایک خاموش سبق

کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ آپ کی ذات سے دنیا میں کیا پھیل رہا ہے اور لوگ آپ سے کیا سیکھ رہے ہیں؟ برائی یا بھلائی! یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی خواہ کسی حیثیت کا ہو اور علم و مرتبے کے لحاظ سے کسی بھی مقام پر ہو' اس کی ذات سے یا برائی پھیلتی ہے یا بھلائی۔ یا تو اس کو دیکھ کر لوگوں میں نیکی اور بھلائی کے جذبات امڈتے ہیں یا بُرے کاموں کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ ہر آدمی کے تعلقات کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ کچھ اس کے رشتہ دار' کچھ دوست احباب ہوتے ہیں۔ سوچئے آپ بھی ایسے ہی رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں اور وہ رشتہ دار آپ کے طرزِ عمل سے کچھ نہ کچھ سیکھ رہے ہیں۔ آپ کی زندگی ایک خاموش سبق ہے جو ہر وقت پڑھا جا رہا ہے' یاد کیا جا رہا ہے اور اپنے ہر وقت پر دہرایا جا رہا ہے اور آپ کو محسوس ہو نہ ہو اس کا لوگوں پر بہت اثر ہو رہا ہے۔ یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہے کہ اچھائی ہو یا برائی اس کا انجام لازمی ہے۔ جس طرح یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ گردن کٹ کر الگ ہو جائے اور آدمی نہ مرے ٹھیک اسی طرح یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ ایک برائی کی جائے اور اس کا انجام سامنے نہ آئے۔ زمین کے سینے پر جہاں کہیں کوئی برائی کی جائے یا بھلائی کی جائے' زمین و آسمان کی فضا اس کا انجام محفوظ کر رہی ہے اور آدمی چاہے یا نہ چاہے یہ انجام لازماً اس کے سامنے آئے گا۔

اگر آدمی واقعی یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس سے لوگ نیکی سیکھیں' اچھے ناموں سے اس کو یاد کریں اور اس کی زندگی سے نیکی کی رغبت ہو تو اسے زندگی بھی ایسی ہی بنانی ہوگی اور اپنی زندگی سے اس نیک خواہش کا ثبوت دینا ہوگا۔ اگر وہ برے کام کر کے یہ خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اس سے نیکی کا سبق لیں اور اسے اچھے الفاظ سے یاد کریں تو وہ عقل و دماغ کی کسی سخت بیماری میں مبتلا ہے جس کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ توبہ و استغفار کرے اور آئندہ اس روش سے پوری طرح پرہیز کرے۔

(مرسلہ: ذیشان دانش خان)

اقامتِ دین کی جدوجہد میں نماز کی اہمیت!

محمد سمیع' کراچی

اسلام کو بحیثیت دین اختیار کرنے کے بعد اولین تقاضا جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ اقامت صلوٰۃ ہے' یعنی اگر آپ نے اللہ کو اپنا خالق و مالک مانا ہے تو اس کے سامنے جھک جائیں' سرتسلیم خم کردیں۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ اولاً یہ کہ نماز کی ظاہری صورت میں اپنے اعضاء و جوارح کو اس کے سامنے رکوع و سجود وغیرہ کی صورت میں جھکا دو۔ دوسرے پہلو کے لئے بس اس مصرعے کو یاد کرلیجئے کہ ع ''سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے''۔ جو اللہ کا حکم ہے' اسے بے چون و چرا بجالاؤ۔ ہمیں اکثر و بیشتر اس کے پہلے تقاضے پر عملدر آمد میں ہی دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ میں عام لوگوں کی بات نہیں کر رہا کیونکہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں نمازیوں کی تعداد کتنی ہے۔ میں تو اپنی بات کر رہا ہوں ـــــ ہم جو دین کی سربلندی کا عزم رکھتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے بھی خاصی تعداد ایسی ہے کہ جن کی رپورٹس میں فجر کی نماز کے سامنے ''بلا جماعت'' اور ''قضا'' کے خانے خالی نہیں ہوتے۔ پریشان ہم بھی ہیں اور نظم کے وہ ذمہ دار بھی ہیں جن پر ہماری رہنمائی کا بوجھ آن پڑا ہے۔ مختلف سطحوں پر اس کیفیت پر اضطراب تو بہت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ آیا اس کا کوئی تدارک بھی ہے! محض تشویش کا اظہار تو کافی نہیں۔ میں تو اپنی ذات سے اس کا آغاز کروں گا۔ اس کو کسر نفسی پر محمول نہ کیجئے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں خود کو اپنے ساتھیوں میں کمزور ترین محسوس کرتا ہوں۔ مجھے ان نوجوانوں پر رشک آتا ہے جنہوں نے اوائل نوجوانی ہی میں دین کے تقاضوں کا شعور حاصل کیا اور وہ اسلام کی احیائی تحریکوں میں شامل ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ میرے پاس تو اس سوال کا کوئی جواب ہی نہیں جو یوم محشر مجھ سے کیا جائے گا کہ تم نے اپنے شباب کے دور کو کہاں گھلایا۔ ''ابوءُ بذنبی'' کے سوا کوئی چارہ نہیں اور فضل خداوندی کے سوا سفینہ کی' جو گرداب میں پھنسی ہوگی' بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

بہرحال میرا نماز کی طرف رجوع کے بعد ایک طویل دور ایسا بھی گزرا ہے کہ روزانہ فجر کی نماز قضا ہوتی تھی' روزانہ اللہ سے توبہ کرتا۔ کسی نے قوت ارادی کو مضبوط کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن جس میں اتنا بڑا ضعف ہو' وہ اپنے اندر قوت ارادی کیا پیدا کرتا' مضبوط کرنا تو دور کی بات ہے۔ کسی نے کہا کہ سوتے وقت اپنے آپ کو مخاطب کرکے کہو کہ تمہیں لازماً اذان فجر کے ساتھ اٹھ جانا ہے۔ اور بھی مختلف لوگوں نے حق نصیحت ادا کرتے ہوئے مختلف مشورے دیئے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید میرے نفس کو شرم آ ہی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم کیا۔ اب الحمدللہ اذان کے ساتھ ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کھلتی تو پہلے بھی ہوگی لیکن شاید شیطان مجھے مختلف لوریاں سنا کر سلاتا رہا ہوگا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جماعت اسلامی کے بنیادی یونٹ حلقہ متفقین میں شامل تھا۔ ہمارے ناظم بہت ذہین آدمی تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ فجر کی نماز تمام لوگ ایک ہی مسجد میں ادا کریں۔ کبھی فلاں اور کبھی کسی مسجد میں۔ نماز پڑھ کر مسجد کے باہر اکٹھے ہوجاتے تھے۔ لوگوں سے مصافحہ کرنا' ان کی خیر خیریت دریافت کرنا ان کی پبلک ریلیشنگ کا حصہ تھا۔ اس درمیان میں وہ ساتھیوں کا جائزہ بھی لے لیتے تھے۔ کبھی معلوم ہوتا کہ فلاں ساتھی نظر نہیں آ رہے تو ارشاد ہوتا کہ چلو اس کے گھر چلتے ہیں۔ قافلہ کی صورت میں ہم اس کے گھر پہنچتے۔ دستک پر جب موصوف باہر نکلتے تو سلام کے بعد پہلا سوال ان سے یہ ہوتا کہ نماز پڑھی یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہوتا تو اس سے کہا جاتا کہ پہلے آپ نماز پڑھیں' ہم یہیں کھڑے ہیں۔ وہ نماز پڑھتے۔ اس دوران ہماری گپ شپ جاری رہتی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ آپ پر کیا جرمانہ عائد کیا جائے۔ پھر خود ہی کہتے کہ جرمانہ یہ ہے کہ سب کو چائے پلائی جائے۔ لیکن گھر والے تو سو رہے ہیں' جواب ملتا۔ ہم کچھ نہیں جانتے' ہم تو چائے پی کر ہی جائیں گے چاہے آپ کو خود چائے تیار کرنی پڑے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو ہوٹل تو کھل چکے ہیں۔ گویا اس معاملے میں کوئی چھوٹ نہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ اگر دو چار مرتبہ آپ کے ساتھ ایسی صورتحال پیش آ جائے تو آپ باجماعت نماز کس طرح ترک کریں گے۔

ہمارے ایک نقیب اسرہ نے ہمیں ایک ترکیب اور بتائی۔ وہ اذان کے ساتھ ہی اپنے ان رفقاء کو ٹیلی فون کر دیتے جن کے ہاں فون ہوتا۔ لیکن اس میں قباحت یہ ہے کہ ہر رفیق کے گھر ٹیلی فون کا ہونا تو ضروری نہیں۔ ایک طریقہ ہم نے محلہ کے ایک ''تبلیغی'' بھائی کا دیکھا۔ اذان سے قبل وہ اپنے دوستوں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹا دیا کرتے۔ ایک تنظیم کے ساتھیوں نے طریقہ یہ اپنایا کہ وہ میگا فون پر لوگوں کو نماز کے لئے خبردار کرتے ہوئے گزرتے۔ اپنے اپنے جذبہ کی بات ہے۔ کوئی بھی طریقہ اپنالیں' بس اس بات کا دھیان رکھیں کہ **فلا تزکوا انفسکم** والا معاملہ نہ ہوجائے یا افسرانہ انداز اختیار نہ کیا جائے بلکہ مخاطب کو یہ محسوس ہو کہ اس کا نقیب (یا جس بھی ذمہ داری پر وہ فائز ہو) واقعتاً خلوص دل کے ساتھ اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ گاہے بگاہے قرآن و حدیث میں نماز سے غفلت خصوصاً نماز فجر وعشاء میں تساہل کے بارے میں وعیدیں ساتھیوں کے گوش گزار کی جائیں۔ محض اضطراب کا اظہار مسئلہ کا حل نہیں۔

درون بینی

اسرہ و نقیب اسرہ: باہمی تعلق

اسرہ ایک خاندان کو کہتے ہیں اور نقیب اسرہ سے مراد خاندان کا نگران یا سربراہ ہے۔ اصطلاحاً اس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ایسے ہم نظریہ و ہم خیال لوگ جو کسی ایک ہی علاقے میں رہتے ہیں' جب ان کی تعداد تین ہوجاتی ہے تو انہیں ایک خاندان کی شکل دے دی جاتی ہے اور ان میں جو شخص زیادہ ذمہ دار اور سمجھ دار ہوتا ہے اسے نگران بنا دیا جاتا ہے۔

کیا کوئی خاندان ایسا بھی ہوسکتا ہے جس کا سربراہ کبھی اس کے افراد سے ملتا ہی نہ ہو؟ کیا کبھی کسی ایسے شخص کو بھی سربراہ سمجھا جاسکتا ہے جس کو اپنے پورے خاندان کے حالات کا علم ہی نہ ہو۔ ہرگز نہیں! کسی تنظیم کا سربراہ یا نگران بنانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس تنظیم میں نئے شامل ہونے والے افراد کو طرح طرح کے جو مسائل پیش آئیں' اس ضمن میں ان کی رہنمائی کی جائے۔ کبھی والدین رکاوٹ بنیں گے' کبھی بہن بھائی مخالفت کریں گے' کبھی اہل محلہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان حالات میں دلجوئی اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو سربراہ مہیا کرے گا۔ اس کی عدم موجودگی میں یہ نظریاتی خاندان اپنے مقصد کے حصول میں کوشش سے پہلوتہی کرے گا۔ نتیجتاً جس طرح اگر معاشرے میں خاندانوں کے اندر خرابی پیدا ہوجائے تو اس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے اسی طرح تحریکوں اور جماعتوں میں اسروں اور بنیادی یونٹوں میں سست روی کا نقصان پوری تحریک کو ہوتا ہے۔ اس لئے تنظیم اسلامی کے تمام رفقاء کو اس بنیادی کام پر توجہ دینا چاہئے۔ (مرسلہ: محمد اصغر صدیقی' فیصل آباد)

اسرہ قرآن کالج لاہور کا ہفتہ وار درس قرآن

یہ درس قرآن ۱۷ جنوری کو قرآن کالج میں منعقد کیا گیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد نائب نقیب جناب پروفیسر حافظ علاؤالدین نے نہایت ہی احسن طریقے سے فرائض دینی کے جامع تصور پر مفصل روشنی ڈالی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور اس کی فرمانبرداری ہونا چاہئے۔ فرائض دینی کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جس طرح ایک مسلمان پر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو فرض کیا گیا ہے اسی طرح اقامت دین کا فریضہ ادا کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ یہ کام ایک سہ منزلہ عمارت کی صورت میں مکمل ہوگا۔ وہ تین مراحل یہ ہیں:

۱) خود کو اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانا

۲) دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا بندہ بنانے کی کوشش کرنا

۳) اسلامی نظام قائم کرنے کی جدوجہد

اس عمارت کی بنیاد کلمہ شہادت ہے اور جب انسان کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر پوری طرح کاربند ہو جائے اور اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دے تو وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جائے گا۔ دوسری منزل طے کرنے کے لئے کچھ زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں دعوت و تبلیغ کا کام کرنا پڑتا ہے۔ اس دوران معاشرے کی طرف سے دی گئی تکلیفوں اور رکاوٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد پوری زمین پر اللہ تعالیٰ کا دین نافذ کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اس میں جان و مال تک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باطل نظام کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جانا چاہئے۔

اس درس میں اسرہ قرآن کالج کے رفقاء واحباب کے علاوہ کالج کے طلباء نے بھی خاصی تعداد میں شرکت کی۔ یہ پروگرام تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ تمام شرکاء نے اس کو سراہا۔ آخر میں جناب پروفیسر حافظ علاؤالدین نے دعا کرائی اور نماز مغرب کی اذان کے ساتھ ہی پروگرام کا اختتام ہوا۔

(رپورٹ: کرم داد خان بلوچ)

فیصل آباد میں سہ روزہ دعوتی پروگرام

قرآن کالج لاہور کے طلباء، قرآن اکیڈمی لاہور میں ایک سالہ کورس کے شرکاء اور تنظیم اسلامی لاہور (شرقی) کے کچھ رفقاء نے ۳ تا ۵ فروری سہ روزہ دعوتی دورے پر جانے کا عزم کیا۔ چنانچہ حلقہ پنجاب (غربی) اور تنظیم اسلامی فیصل آباد (شرقی) کے امراء کے مشورے سے قرآن اکیڈمی فیصل آباد اور اس کے گردونواح میں دعوتی کام کا پروگرام بنایا گیا۔ یہ حضرات جو تعداد میں ۹ تھے بذریعہ نان سٹاپ ٹرین ۲ فروری کو فیصل آباد پہنچ گئے۔ رات حلقہ کے دفتر میں گزارنے کے بعد انہیں خیابان کالونی نمبر ۳ میں واقع قرآن اکیڈمی پہنچا دیا گیا۔ راقم لاہور سے اپنے ساتھی جناب محمد ادریس اور ڈرائیور محمد الیاس کے ہمراہ ۳ فروری کو صبح تقریباً ۱۱ بجے پہنچ گیا۔ جناب میاں محمد اسلم نے گردونواح کی مساجد میں پہلے سے پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ چنانچہ ۳ فروری کو نماز ظہر سے مختلف مساجد اور مدارس میں تنظیم اسلامی کی دعوت کا کام شروع کر دیا گیا۔ زیادہ تر دروس راقم نے خود ہی دیئے جن میں ''عبادت رب''، ''شہادت علی الناس''، ''فکر آخرت'' اور ''دنیاوی زندگی کی حقیقت'' کے موضوعات شامل تھے تاہم تین مساجد میں جناب محمد ادریس نے بھی ''عبادت رب''، ''شہادت علی الناس'' اور ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے موضوعات پر خطابات کئے۔ صبح کے اوقات میں قرآن اکیڈمی میں انہی موضوعات پر شرکاء نے خطاب کرنے کی مشق کی اور کچھ دیگر موضوعات بھی زیر بحث لائے گئے۔ دو جگہوں پر لوگوں کو دعوت دینے کے لئے شرکاء نے گشت بھی کیا اور لٹریچر بھی تقسیم کیا۔ یوں یہ پروگرام ۵ فروری کو بعد نماز عشاء مکمل ہوا اور شرکاء واپس لاہور پہنچ گئے۔ شرکاء نے ایسے پروگرام تسلسل سے کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور خود بھی دوبارہ شامل ہونے کی خواہش کی۔

(مرتب: چوہدری رحمت اللہ بٹر، مرکزی ناظم دعوت وتربیت)

اسرہ مامونڈ کی دعوتی سرگرمیاں

۲۰ جنوری کو اسرہ مامونڈ کے رفقاء نے القرآن پبلک سکول میں ایک دعوتی پروگرام کا انعقاد کیا۔ پروگرام میں رفقاء سمیت تیس افراد شریک ہوئے۔ پروگرام کے آغاز میں راقم نے تختہ سیاہ پر نہایت دلکش انداز میں دین پر لیکچر دیا۔ اس میں دین کے دو بڑے گوشوں یعنی انفرادیت اور اجتماعیت پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی۔ دین کے انفرادی پہلو پر ہم عمل پیرا ہیں جبکہ اجتماعی گوشوں پر طاغوتی نظام کا قبضہ ہے۔ لہٰذا دین کو ہم نے تقسیم کیا ہوا ہے۔ جس خدا کو ہم مسجد اور گھروں میں مانتے ہیں مارکیٹ میں اس خدا کا حکم نہیں چلتا۔ ہمارا یہ طرز عمل اللہ کے قہر اور غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

راقم کے خطاب کے بعد جناب گل محمود نے ''فرائض دین کے جامع تصور'' پر لب کشائی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم صحیح معنوں میں اس وقت دین پر عمل پیرا ہوں گے جب ہم بندگی رب، دعوت دین اور اقامت دین کے فرائض کو ادا کریں گے۔ پروگرام کے اختتام پر اسرہ کے ناظم دعوت جناب فیض الرحمٰن نہایت حکیمانہ انداز میں منہج انقلاب پر سامعین سے مخاطب ہوئے۔ انہوں نے اصلاحی، انتخابی اور انقلابی تحریکوں کو واضح کرنے کے بعد آخر میں منہج انقلاب نبوی پر روشنی ڈالی۔ جناب فیض الرحمٰن کی اختتامی دعا پر یہ پروگرام تکمیل کو پہنچا۔ حاضرین اس پروگرام سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ (مرتب: حضرت نبی محسن)

●●●

جنوری میں حلقہ سرحد (شمالی) کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

☆ ۱۱ جنوری کو گورنمنٹ پرائمری سکول نمبر ا خویشگی میں ایک دعوتی اجتماع ہوا۔ جناب قاضی فضل حکیم نے سکول کے سٹاف اور رفقاء واحباب کے سامنے وائٹ بورڈ پر ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت'' قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کیا۔ انہوں نے کسی بھی کام کو کرنے کے لئے مقصد کی اہمیت بیان کی اور دین کے حوالے سے زندگی کے مقصد پر روشنی ڈالی۔ اختتام پر سوال وجواب کی نشست ہوئی۔

☆ ۱۱ جنوری ہی کو نماز مغرب کے بعد ایک دعوتی اجتماع جامع مسجد خشکئی، چارسدہ میں منعقد ہوا۔ جناب قاضی فضل حکیم نے ''خیر وشر کی کشمکش'' پر چالیس افراد کے سامنے بات کی۔

☆ ماہانہ تربیتی اجتماع ۲۶ جنوری بروز ہفتہ کو نماز مغرب کے بعد شروع ہوا اور اگلی صبح ۱۰ بجے تک جاری رہا۔ ابتدا میں تذکیر بالقرآن کے سلسلے میں سورۃ الذاریات کا درس قرآن بذریعہ ویڈیو دکھایا گیا۔ نماز عشاء کے بعد اسرہ بدرشی کے رفیق جناب جاں نثار اختر نے ''مقصد زندگی'' پر مفصل گفتگو کی۔ انہوں نے ضرورت اور مقصد کے فرق کو حاضرین کے سامنے واضح کیا۔ اس کے بعد تعارفی نشست ہوئی جس میں صوابی، مردان، چارسدہ اور نوشہرہ سے آئے ہوئے ۲۵ احباب نے اپنا تعارف کرایا۔ کھانے کے بعد اسرہ پنج پیر کے نقیب جناب جان اصغر نے ''ایک رفیق......دس اوصاف'' کے حوالے سے رفقاء تنظیم اسلامی کے مطلوبہ اوصاف واضح کئے۔ اس کے بعد تنظیم اسلامی خویشگی کے رفیق جناب نصر اللہ نے ''دکھاوے کا انجام'' کے موضوع پر درس حدیث دیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ہر کام کے لئے نیت کا اخلاص انتہائی ضروری ہے۔ آرام کے وقفہ اور نماز فجر کے بعد تنظیم اسلامی خویشگی کے رفیق جناب محمد حامد نے تجوید وترجمہ کے حوالے سے سورۃ التین کی مشق کرائی۔ اس کے بعد جناب حضرت گل استاد نے ''زندگیاں صحابہؓ کی'' میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سیرت پر روشنی ڈالی۔ ناشتے کے بعد پروگرام کے آخر میں حلقہ سرحد (شمالی) کے ناظم دعوت جناب مولانا غلام اللہ حقانی کا ویڈیو خطاب بعنوان ''اجنبی دین'' شرکاء کو دکھایا گیا۔ اس تربیتی اجتماع کی نظامت کی ذمہ داری حلقہ کے ناظم تربیت جناب قاضی فضل حکیم نے ادا کی۔

(مرتب: فضل رحیم)

تنظیم	اسلامی	کا	پیغام
نظام	خلافت	کا	قیام

بقیہ : پس آئینہ

لشکرکشی کے ذریعے وسط ایشیاء کے تیل کے ذخائر پر غلبہ حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر و باہر ہے۔

) چین کی Containment اور ایران کی مذہبی حکومت سے پرانا حساب چکانے کی آرزو

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو گلوبلائزیشن' لبرلائزیشن' پرائیویٹائزیشن اور مارکیٹ اکانومی کے ذریعے لستان میں یہودیوں کو اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے میں پہلے ہی کافی کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ غیر ملکی سرپرستی میں چلنے لی NGOs کے ذریعے پاکستانی معاشرے کا ڈھانچہ زرفتاری کے ساتھ سیکولرائز کیا جا رہا ہے۔ حکومت رنمائندہ ہونے کے سبب کسی کے سامنے اپنے آپ کو ابدہ نہیں سمجھتی اس لئے اس کے ذریعے سے عالمی طاقتیں ن مانے فیصلے کروا رہی ہیں۔ ملک و قوم کا اسلامی تشخص انسی گھاٹ تک پہنچایا جا چکا ہے۔ نماز اور روزے جیسی نرادی عبادات سے شغف رکھنے والوں سے کوئی تعرض کیا اتا نظر نہیں آ رہا لیکن اسلام کے بارے میں دین کا تصور کھنے والوں اور احیائی تحریکوں سے آخری معرکہ کے لئے یدان سج چکا ہے۔ ابلیس اپنے حلیفوں کو بڑھاوا دیتے وئے تہذیبوں کی جنگ کا طبل بجا چکا ہے۔

ایک طرف اقتصادی بحران اور بے روزگاری دن ن شدید اور گہری ہوتی جا رہی ہے اور عوام کی اکثریت چند الوں کے لئے حرام و حلال سے بے گانہ ہو چکی ہے تو وسری طرف NGOs کے ذریعے مختلف اداروں اور فراد کو پرکشش مالی ترغیبات کے ذریعے سیکولر کیمپ میں کٹھا کیا جا رہا ہے۔ لادینیت پر مبنی سوچ اور عمل کو تیزی سے راسخ کرنے کے لئے کثیر مالی وسائل سے مسلح NGOs ہزاروں کی تعداد میں آسامیاں مشتہر کر رہی ہیں۔ معاشرہ مادیت پرستی اور سیکولر ازم کی ڈھلان پر بہت تیزی سے پھسلتا جا رہا ہے۔ اس ساری صورت حال میں دینی جماعتوں کے قائدین کی اکثریت بے بصیرتی اور کم ہمتی کی تصویر بن چکی ہے۔ منظرنامہ کچھ یوں ہے کہ ؎

خودبخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی

بقیہ — اداریہ

ایران نے ابتداء میں امریکہ کے جبر و قہر کو خاطر میں نہ لانے اور اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے کا عندیہ دیا تھا لیکن تابکے۔ اکیلا ایران' امریکی عفریت کی درندگی کا کہاں تک مقابلہ کر سکتا ہے! اس کے [illegible] کمزوری اور بعض غیر ضروری اقدامات اس کے عزم و ہمت کی کمی کی چغلی کھا رہے ہیں۔ ادھر عراق پر کسی بھی وقت امریکی حملہ ہو سکتا ہے۔ امریکہ اپنی مرتب کردہ لسٹ کے مطابق یکے بعد دیگرے مسلمان ممالک کو نوالہ تر بنا رہا ہے اور پورے عالم اسلام پر ایک بے حسی' جمود اور بے کسی کی کیفیت طاری ہے۔ ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم!

آج پورے عالم اسلام کی یہ کیفیت کیوں ہے؟ اس کا مختصر جواب علامہ اقبال کے الفاظ میں تو یہی ہوگا کہ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

سچی بات یہ ہے کہ پوری ملت اسلامیہ نے اللہ اور اس کے دین سے بے وفائی کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ پچھلی صدی کے وسط میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانان عالم کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے انہیں بھرپور موقع عنایت فرمایا تھا کہ یورپی اقوام کی غلامی کے شکنجے سے انہیں آزادی ملی تھی۔ سورۂ یونس کی آیت کے مطابق کہ "پھر اے مسلمانو! ہم نے تمہیں زمین میں خلافت و نیابت (غلبہ و اقتدار) عطا فرمایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔"

اللہ نے ہمیں موقع دیا لیکن ہم نے اللہ کو حاکم اعلیٰ اور لائق عبادت ماننے کی بجائے امریکہ' روس اور برطانیہ کو اپنا قبلہ و کعبہ بنانے کو ترجیح دی۔ آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ ذلت و مسکنت کا عذاب یا دوسرے لفظوں میں "جرم ضعیفی" کی سزا آج پوری امت پر مسلط ہے۔ اس صورت حال کا علاج بھی حکیم الامت نے بڑی عمدگی سے تجویز کیا تھا کہ ؎

ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اُوست
اعتصامش کن کہ حبل اللہ اُوست!

اللہ کی رسی قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامنا' اس کی تعلیمات پر انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عمل پیرا ہونا' اس قرآن کی بنیاد پر متحد و متفق ہو کر بنیان مرصوص بننا اور اس کے عطا کردہ نظام عدل اجتماعی یعنی نظام خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنے میں ہی ہماری عافیت پوشیدہ ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی! ○○

شعبہ سمع و بصر کی ایک اور
پیشکش

قرآن فہمی
کا ایک اور
جدید انداز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا بیان کردہ

دورۂ ترجمہ قرآن 98ء

اب VCD (ویڈیو سی ڈی) میں بھی دستیاب ہے

—— 108 ویڈیو سی ڈیز پر مشتمل
—— قرآن مجید کے متن کے ساتھ
—— بہترین آڈیو اور ویڈیو کوالٹی
—— خوبصورت پیکنگ
—— قیمت: 4500 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**
قرآن اکیڈمی 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 5869501-03
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

(نوٹ: ان سی ڈیز کو کمپیوٹر اور VCD Player دونوں پر چلایا جا سکتا ہے)

Relativism and individualism need each other to survive. The marriage of extreme individualism and relativism, however, has produced a new conception of "tolerance." The word tolerance sounds great from the lips of on-sale leaders of the Muslim states, but this is really tolerance with a twist; it demands that everyone has a right to express his or her own views as long as those views do not contain any suggestion of absolutes that would compete with the western standard of relativism, or challenge the supremacy of Washington and London.

Usually those who promote tolerance the loudest also proclaim that the motives of religious people are suspect and that, therefore, their views on any matter must be disqualified. Strangely, socialists, Nazis, sadomasochists, paedophiles, homosexuals, spiritualists, or worshipers of Mother earth would not be excluded. Their right to free expression would be vigorously defended by the same cultural elite who are so easily offended when religious people express their views.

Saad Mehio, writing in the NY Times, December 2, 2001, pointed out that more Taliban and more Osama would come after the present ones are finished because they "are not isolated cases but manifestations of a complex and potentially durable, socio-political phenomenon...[which] involves the immoral unscrupulous and irreligious exploitation of Islam as a political weapon by everyone." Before ignoring the root causes, like sidelining Islam and repressing Muslims all over the world, one may ask: what the Israelis are doing with the active assistance of the US if not exploiting and using their religion for political ends?

Forcing Muslims to run away from Islam is not an answer to any of the local or global problems. Secularisation has, in fact, become part of the western strategy to save the oppressors from facing the collective wrath of the systematically segregated and oppressed Muslims in a global apartheid regime. Do we really need to sideline religion as prescribed by the General on behalf of the US? This question is of supreme importance for Pakistan and other Muslim states and the answer goes far beyond the number of time the authoritarian rulers sprinkle their speeches with reference to Quran and Ahadis. Although General Musharraf used only six words, "religion has no role in politics," to unveil his future plan, but Pakistan may never be the same when these words are materialized.

Following Turkey as a role model, we would soon have to start sentencing writers, like Nureddin Sirin, editor of the Selam, to 17-years in prison for condemning the Zionist occupation of Palestine. We would have to deny our women the right to wear hijab. It would be compulsory for all women going to college, national or provincial assembly to either leave their seats like Safa merve kavakci, or throw away hijab. We would have to come down hard on even the mildest manifestations of Islamic awareness. Keeping beard in military would be considered as much a crime as reading a 1920 Islamic poem by Mayor Recep Tayyip Erdogan. Washington Post would then have the right to criticize us if we changed working hours during Ramadan (Lally Weymouth, March 4, 1997).

Despite brutal crackdown, situation in Pakistan would get volatile when the future plan of Turkification unfolds before our eyes. It is an undeniable historical fact that Pakistan was created in the name of Islam, as no other slogan could have united the millions of Indian Muslims. Contrary to the long and short claims by the secularists, the real motivating force behind the movement for independence, instead of pure religious fervour, was the burning desire on the part of the Indian Muslims to preserve their distinct identity, which is now under systematic threat. The crucial question to ask before getting into the mire of secularisation is: what was the basis of the separate nationhood and distinct identity of the Indian Muslims? Their sense of being a unique nation was neither racial or linguistic in origin, nor based upon any common homeland, but was, in fact, founded upon their ideology and religion. According to W. C. Smith, it was not a territorial or an economic or a linguistic or even, strictly speaking, a national community that was seeking a state, but a religious community. Thus, we find that the motifs of Islam, Islamic state, and Islamic Law were quite prominent in the speeches and statements made by the Muslim League leaders during the height of the freedom movement, including those made by Quaid-e-Azam himself.

It is very strange to find General Musharraf closing his speech for launching secularism with a verse from the Allama Iqbal, who in his famous 1930 address is very revealing as far as the Islamic dimension of the Pakistan movement is concerned. He said: "Is religion a private affair? Would you like to see Islam, as a moral and political ideal, meeting the same fate in the world of Islam as Christianity has already met in Europe? Is it possible to retain Islam as an ethical ideal and to reject it as a polity in favour of national polities, in which religious attitude is not permitted to play any part?... The proposition that religion is a private individual experience is not surprising on the lips of a European... The nature of the Prophet's religious experience, as disclosed in the Qur'an, however, is wholly different.... It is an individual experience creative of a social order. Its immediate outcome is the fundamentals of a polity with implicit legal concepts whose civic significance cannot be belittled merely because their origin is revelational. The religious ideal of Islam, therefore, is organically related to the social order which it has created. The rejection of the one will eventually involve the rejection of the other..."

Irrespective of the past experimentation, we need to keep in mind that any systematic attempt to secularise Muslim states would further polarize our societies. The conflict between pro-Islam and pro-secular forces would intensify. It must go without saying that the various Islamic movements, after failing in their efforts to realize their goals through political and democratic means, would increasingly turn to considering offence as the best defence. We know from the experience of Egypt, Algeria, and other countries that such an approach could bring nothing but disaster for both Islam and the Muslims. This is what the western analysts call a "war within Islam." But even they would not remain immune from the Muslim suffering that would further spread beyond boundaries. What is urgently required on the part of all the workers and well-wishers of secularism is to take a step back and consider dispassionately what they are going to bring upon the Muslim societies for the sake of their petty personal gains. We need to urgently start working for equal status for the Muslims in the world affairs by challenging the global apartheid.

Vol:11 Regd.CPL No.127 No.7

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan2@psh.paknet.com.pk)

The Perils of Turkification.

Pakistan's General Musharraf has joined the ranks of those who have been promising peace with the end of religious influence for the last few centuries. If we can take a lesson from history, one of the most important one from the last 500 years is that a flight from religion pushes human societies even deeper into various problems. The wild expectation that as a result of modernization, human society would outgrow the "theological stage" of social evolution and the science of sociology would replace religion as the basis for moral judgments could not get translated into reality so far. The history can help us predict that the newly declared war would definitely fail in diluting Islam, but would surely succeed in putting a dirty show of Muslims on the throats of their fellow Muslims with secular fundamentalists sitting on the sidelines watching the "war within Islam."

The idea of fanning a "war within Islam" goes back to the time of Salah uddin Ayubi, but in the modern age its earliest proponents seem to have been British, as the Restoration in 1660 led to an era during which militant attacks on faith were quite popular among fashionable Londoners. Interesting to note is the fact that secular fundamentalists have also failed in their efforts to eradicate Christianity. They have only succeeded in taking it off the public square at a great social and moral cost to the society. Failure of the wishful thinking to neutralize Islam within a few years can well be judged from the statement of Thomas Woolston who, writing in about 1710, expressed his confidence that Christianity would be gone by 1900.

Half a century later Frederick the Great thought this was much too pessimistic, writing to Voltaire that "the Englishman Woolston . . . could not calculate what has happened quite recently . It [religion] is crumbling of itself, and its fall will be but the more rapid." In response, Voltaire ventured his guess that the end would come within the next 50 years. Subsequently, not even widespread press reports concerning the second "Great Awakening" could deter Thomas Jefferson from predicting in 1822, "there is not a young man now living in the United States who will not die a Unitarian." Of course, a generation later, Unitarians were as scarce as ever, while the Methodists and Baptists continued their spectacular rates of growth.

The collapse of Communism further reveals the abject failure of several generations of dedicated efforts to indoctrinate atheism in Eastern Europe and the former Soviet Union. As Andrew Greeley put it, "never before in human history has there been such a concerted effort to stamp out not merely a religion, but all trace of religion." And the results? Atheists are few, not more prevalent than in Western Europe or, indeed, in the US.

Enforcement of secularism in Egypt, Algeria and Turkey, when defined in western terms, is nothing short of religious persecution. We are set to face the same problems in Pakistan very soon. Our lives would be made miserable without any tangible advantage to the proponents of "war within Islam." The US Freedom From Religious Persecution Act calls for economic and non-economic sanctions on foreign countries that oppress believers. Its original backers were most concerned with the plight of Christians in China and Sudan, but the content of the bill applies equally to the persecuted Muslims in the Muslim states struggling to impose Turkification.

Soon after the madrassa, there would be a crackdown on journalists, government servants and religious parties in Pakistan. They would be banned from taking part in elections and anything remotely linked to Islam would be hunted under the label of fighting extremism. When religion has no role in politics, so would the religious parties lose every justification for their existence. The US would fully support such actions just as it does elsewhere. Authoritarian leaders in Muslim states are quick to blame Islam for their problems, but fail to point out Israel, where the whole country is officially organized to privilege Judaism over other religions, and Orthodox Judaism over the Conservative, Reform and Reconstructivist branches.

Leaving aside the West Bank Palestinians for a moment, are not the "Palestinian Israelis" systematically discriminated against in myriad ways? After all, if they abandoned Islam and Christianity for Judaism, their status would change overnight. Similarly, non-Orthodox Jews, praying at the Wailing Wall in accordance with the tenets of their faith--which permit women rabbis and in which men and women praying together is the norm—have been violently dispersed by the police, as part of the Israeli government's pandering to the ultra-Orthodox. Incredibly, women are now forced to sit in the back of certain buses routed through ultra-Orthodox neighbourhoods—a clear violation of the religious rights of non-Orthodox women, whose faith forbids treating women the way blacks were in the US. And the future may be even worse: women barred from working in ultra-Orthodox neighbourhoods (one post office branch only ended its ban on hiring women after a public outcry), non-Orthodox rabbis barred from performing conversions and legitimating marriages. However there should be no calls for a war within Judaism or moderation of its extremism. Still, Israeli government needs not be demonised like the Taliban, let alone hitting it with cruise missiles, daisey cutters and other state of the art bombs.

Thomas Friedman is quick to call Musharraf's speech a "potential breakthrough from Pakistan" (NY Times, Jan. 21, 2002) but fails to point out the bitter fruits of US sponsored extremism in Israel. The Muslim countries are being forced to live in the new dark ages where the believers would be as vigorously persecuted as it used to be in the early days of Islam in Mecca. The darkness increases as the New Barbarians move from the position of strength to strength. Today the prevailing attitude is one of relativism, i.e., the belief that there is no morally binding objective source of authority or truth above the individual and the western capitals. The fact that this view tosses aside 2,500 years of accumulated moral wisdom, a rationally defensible natural law, and the moral law revealed by God seems to bother very few.